جسے جرم عشق پہ ناز تھا
غلام میراں بھٹہ
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

جسے جرمِ عشق پہ ناز تھا

غلام میراں بھٹہ

DUA PUBLICATIONS

انتساب

دنیا کے ہر اُس شخص

کے نام

جو انسانیت کی فلاح کا جذبہ رکھتا ہو

خصوصاً

عبدالستار ایدھی

بیگم بلقیس ایدھی

کے نام

باب 1

مضافات سے سفر کرتی گاڑھی دُھند سرِشام ہی سارے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ یوں اس دُھند سے بنی دودھیا سفید آنچلوں سے ڈھکی شام اب دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رات کے پہلے پہر سے دوسرے پہر میں ڈھلنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ ایسے میں شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر جو رات کے اس پہر سنسان ہو رہی تھی شہر یار غوری بڑی احتیاط سے اسپورٹس مرسڈیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ سفیان غوری جو شہر کے معروف صنعت کار اور سیاستدان تھے۔ وہ اُن کا اکلوتا صاحبزادہ تھا جو اس وقت کسی دوست کی پانچ ستارہ ہوٹل میں منعقدہ تقریب سے لوٹ رہا تھا۔ منفی سات ڈگری درجہ حرارت کے ساتھ چھائی گاڑھی دُھند میں سڑک کے بیچ و بیچ لگے برقی قمقمے اور گاڑی کی سامنے والی بتیاں جو کسی دوشیزہ کی ترچھی نگاہوں جیسی دکھائی دیتیں۔ اب محدود فاصلے سے بھی جگنو کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔

ڈیش بورڈ پر رکھے آئی فون پر کال آ رہی تھی۔ مگر فون سائیلنٹ پر تھا۔ گاڑی بائیں جانب موڑتے ہوئے اُس کی نظر فون پر پڑی جس پر جلتی بجھتی روشنی دیکھ کر اُس نے فوراً فون اُٹھایا۔ کال آنا اب بند ہو چکی تھی۔ دیکھنے پر اُسے معلوم ہوا کہ ایک ہی نمبر سے گیارہ مرتبہ کال آ چکی تھی اور وہ نمبر تھا مسز سفیان غوری یعنی شہر یار کی مما کا۔ اُس نے فوراً واپسی کال کی۔ دوسری جانب پہلی بیل جانے پر ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''آئی ایم سوری مما......فون سائیلنٹ پر تھا۔ آپ کو بہت پریشانی ہوئی۔ اس بات کا مجھے اندازہ ہے۔'' شہر یار نے معذرت پیش کی۔

''مما کی جان یہ پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا۔ کتنی بار کہا ہے ایسے فون سائیلنٹ پہ نہ رکھا کرو۔ مما پریشان ہو

جاتی ہے۔''

صالحہ بیگم کی بات مکمل ہوتے ہی شہر یار بولا:

''آئی ایم رئیلی ویری سوری موم......'' ان چھ لفظوں کو اُس نے سُر میں ادا کیا تھا۔

''شہر یار بیٹا معین نوازش اور اُن کی صاحبزادی انعم آئے ہوئے تھے۔ کافی دیر سے تمہارا انتظار کرتے کرتے ابھی لوٹے ہیں۔'' صالحہ بیگم نے بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''مما یہ باپ بیٹی۔ کیا چاہتے ہیں مجھ سے؟'' شہر یار نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی صالحہ بیگم فوراً بولی ''ایسا نہیں کہتے بیٹا''

''آپ نہیں جانتی مما......دن میں درجنوں مرتبہ انعم کی مجھ سے فون پہ بات ہوتی ہے۔ اب وہ میرا انتظار بھی کر رہی تھی۔''

شہر یار کی بات سن کر صالحہ بیگم اب ہنس رہی تھی۔

''ارے وہ تو مجھ سے کہہ رہی تھی پڑھائی سے اُسے فرصت ہی نہیں ملتی۔ آج وقت ملا تو وہ اپنے پپا کو ساتھ لے کر آ گئی۔''

صالحہ بیگم کی بات ختم ہوئے ہی شہر یار بولا ''بہت پڑھتی ہے ناں۔ اس سمسٹر کا رزلٹ میں گھر پہنچ کر آپ کو نیٹ پر دکھاتا ہوں۔ آپ جان جائیں گی کہ کتنا پڑھتی ہے۔''

''اچھا بیٹا......! یہ بتاؤ اس وقت کہاں ہو؟''

صالحہ بیگم نے اب ماؤں جیسے فکر کرتے پوچھا ''مما بس چند منٹوں میں آپ کا ہنی آپ کے پاس ہوگا۔''

''احتیاط سے بیٹا۔''

دوسری جانب سے ابھی بات جاری تھی جب شہر یار نے کال کاٹ دی۔ ساتھ ہی اُس نے گیئر بدل کر ایکسیلٹر پر پاؤں دبایا اور گاڑی دُھند کو چیرتی ہوئی بھاگنے لگی۔ اگر چہ کافی مہینوں سے کوئی بارش نہیں ہو پائی تھی۔ پھر بھی دُھند کے چھاتے ہی ہر چیز پانی سے یوں تر ہو جاتی گویا موسلا دھار بارش خوب برس کر تھمی ہو۔ سڑک خوب تر ہونے کی وجہ سے گاڑی پھسل رہی تھی لیکن وہ اسے کھیل سمجھ کر لطف اندوز ہو رہا

تھا۔ اب جبکہ اُس کا گھر چند کلومیٹر کی دوری پر تھا اُس نے اپنی رفتار اور بھی بڑھا دی۔ رفتار بڑھاتے ہی گاڑی جیسے دُھند میں تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ جب دفعتاً ہی شہر یار نے پوری قوت سے پاؤں بریک پر جما دیا تھا۔ اُسے چند فٹ کے فاصلے پر کوئی شخص دوڑتا ہوا سڑک پار کرتا دکھائی دیا۔ بریک کے لگتے ہی وہ شخص تیزی سے کسی جانب دُھند میں غائب ہو گیا۔ لیکن تیز رفتار مرسڈیز ایک سو اسّی کے زاویے پر گھومی اور پھر پھسلتی چلی گئی۔ بریک پر گرفت ڈھیلی پڑتے ہی اسٹیرنگ پر اُس کا کنٹرول نہ رہا۔ نتیجتاً گاڑی سروس روڈ کی جانب مڑی اور پھر سروس روڈ کے ساتھ بنے فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ گھسیٹتی چلی گئی۔

حفاظتی بیلٹ نہ باندھے ہونے کی وجہ سے وہ اپنی سیٹ پر جھول رہا تھا۔ اسی حالت میں کہیں اُس کا ہاتھ لاک پر پڑا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلتے ہی وہ لڑھکتا ہوا نیچے آ گرا۔ گرتے ہی اُس کا سر زور سے فٹ پاتھ کے ایک کونے سے ٹکرایا لیکن بدحواسی میں اُسے تکلیف کا احساس نہ ہو سکا۔ اب وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اُسے سر کے پچھلے حصے میں نچلی جانب شدید چوٹ آئی تھی جہاں سے خون رس کر اُس کے کانوں کی لوں کو چھوتا ہوا گردن کو تر کر چکا تھا۔

جس جگہ وہ پڑا تھا وہاں اُس کے اُوپر ایک بڑے سے پیڑ کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ عین اُس وقت جب وہ اپنا ہوش کھو دینے والا تھا اُس کے چہرے پر پانی کی بوندیں پڑیں جو کہ شدید دُھند کے باعث پیڑ کے پتوں پر جمع ہونے والے پانی کی صورت میں ٹپک رہی تھیں۔ دفعتاً ہی تیز روشنی اُس کی آنکھوں سے ٹکرائی۔ ایک خاکستری رنگ کی آلٹو اُس کے نزدیک چند فٹ کے فاصلے پر آ کر رُکی۔ اُس نے ہمت جٹا کر ایک ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور آواز دینا چاہی لیکن وہ صرف ہاتھ اُٹھا سکا۔ آواز اُس کے حلق میں ہی کہیں دب گئی تھی۔

''یا اللہ! یہ کوئی حادثہ معلوم ہوتا ہے۔''

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی لڑکی تیزی سے گاڑی سے نکلتے ہوئے شہر یار کی جانب بڑھی۔ جسے وہ گاڑی روکتے ہوئے سامنے پڑا دیکھ چکی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کا حجاب اوڑھے وہ لڑکی شہر یار کے پاس پہنچا تو وہ اوندھے منہ پڑا تھا لیکن ابھی وہ اپنے ہواس سے بیگانہ نہیں ہوا تھا۔ لڑکی

نے شہریار کے قریب پہنچ کر یک بارگی اردگرد نگاہ دوڑائی۔ شدید دُھند میں اُسے اپنے اور شہریار کے سوا کچھ اور دکھائی نہ دیا۔ شہریار نے اپنے ایک ہاتھ کو معمولی سی حرکت دی جیسے وہ جانتا تھا کہ اُس کے قریب اِس وقت کوئی موجود ہے۔ وہ لڑکی فوراً جھکی۔ اُس نے شہریار کے بازو کو تھاما اُسے سیدھا کیا۔ اب اُس کا ایک بازو شہریار کے کاندھوں کے گرد یوں حائل تھا کہ شہریار کے کاندھے زمین سے معمولی سا اُوپر اُس کے بازوؤں کے سہارے ٹکے ہوئے تھے۔

اُسے خون میں لت پت دیکھ کر وہ لڑکی فوراً چلاتے ہوئے بولی:

''آپ ٹھیک تو ہیں۔ آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی''

شہریار نے اپنی آنکھوں کو تیزی سے جھپکاتے ہوئے سامنے دیکھا۔ سامنے اُس کی نگاہوں میں ایک مہتابی چہرہ یوں نقش ہوا کہ پھر وہ اپنی ہوش سے بیگانہ ہو کر اُس لڑکی کے بازوؤں میں جھول سا گیا۔

''یا اللہ! لگتا ہے یہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے لڑکی نے ایک دو بار شہریار کے چہرے کو تھپتھپایا۔ پھر اُس نے نبض چیک کی۔ ساتھ ہی اُس نے شہریار کی ٹائی کو ڈھیلا کیا۔ اب وہ اپنا اوڑھا ہوا حجاب اُتار کر نیچے بچھا چکی تھی۔ ایسا کرنے کے بعد اُس نے شہریار کو کروٹ کے بل لیٹا کر اُس کا سر کپڑے پر رکھا اور شہریار کی ایک ٹانگ کو آگے کی طرف جھکا دیا تھا۔ ایسا سب وہ اتنی مہارت سے کر رہی تھی جیسے وہ ابتدائی طبی امداد سے خوب واقف ہو اور ایسا سب کرنے کی وجہ شہریار کے سانس کو بحال رکھنا تھا۔

پھر وہ تیزی سے اُٹھ کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھی۔ اُس نے ڈرائیونگ سیٹ پر پڑی گدی اُٹھائی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا جہاں ایک گرم شال پڑی تھی۔ وہ جلدی سے یہ دونوں چیزیں لے کر شہریار کے پاس آئی۔ پاس آ کر اُس نے زمین پر بچھے کپڑے کو اُٹھایا گدی پر شہریار کا سر رکھا۔ حجاب والے کپڑے کو اُس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا تاکہ زخمی حصے کو ڈھانپ کر گرم رکھا جا سکے۔ آخر میں اُس کے سارے جسم کو گرم شال سے ڈھانپ دیا تھا۔ اب وہ کھڑی اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔ حادثے کی شکار ہو چکی کار نے سروس روڈ بلاک کر رکھا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اُس نے شہریار کی جانب دیکھا۔ ساڑھے چھ فٹ جسامت کے مالک تنومند انسان کو وہ تنہا اپنی گاڑی میں کیسے پہنچا سکتی تھی۔ اس

بات کا اندازہ اُسے شہریار کو کروٹ کے بل لٹاتے ہوئے بھی ہو چکا تھا۔ کچھ حتمی فیصلہ کر لینے کے بعد اب وہ سامنے آگے بڑھتے سروس روڈ پر بھاگ رہی تھی۔ شدید سردی کے باعث جلد ہی اس کا چہرہ اور ہاتھ سن ہونے لگے۔ یونہی بھاگتے بھاگتے اُس نے سوئیٹر کے بازوؤں کو اس قدر کھینچا کہ اب سوئیٹر میں اُس کے ہاتھ چھپ گئے تھے۔ اُس نے اپنی مٹھیاں بند کر لیں۔ اب وہ اپنے ہاتھوں سے سن ہوتے کانوں کو ڈھانپ رہی تھی اور کبھی سرخ ہوتی ناک اور چہرے کو ہاتھوں میں چھپاتی وہ مسلسل بھاگتی رہی۔

یونہی چند منٹ بھاگتے رہنے کے بعد وہ دائیں جانب مڑی۔ سامنے ایک خوبصورت بنگلے کا بڑا سا دروازہ تھا۔ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے قریب پہنچ کر اُس نے ہاتھ بڑھا کر ایک ساتھ دو، تین مرتبہ بیل بجائی۔

اس وقت اُس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ جنہیں اب وہ جھک کر گھٹنوں پر ہاتھ ٹکائے اعتدال میں رکھنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ دفعتاً بڑے سے آہنی دروازے کا چھوٹا پٹ کھلنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی جرمن شیفرڈ نسل کا کتا پھرتی سے اُس پر لپکا اور پھر قریب آ کر مسلسل دم ہلاتے ہوئے اُس کے گرد چکر کاٹنے لگا۔

''اسٹاپ اِٹ...... ہیری'' وہ لڑکی غصے سے چلائی۔

ہیری جو کہ پُھدکتے ہوئے اس کے گرد چکر لگا رہا تھا فوراً دونوں اگلی ٹانگیں جوڑے اُس کے قریب مودبانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

''مشعل بی بی! آپ آ گئیں۔ آپ کی گاڑی کہاں ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا بی بی جی......؟؟''

ملازم نے قریب آتے ہی جیسے مشعل کی حالت کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''رحمن بابا میں آپ کو سب بتاؤں گی۔ ابھی آپ جلدی سے میرے ساتھ چلیئے۔'' مشعل یہ کہتے ہوئے تیزی سے مڑی اور پھر واپس بھاگنے لگی۔ ہیری بھی اُٹھ کر مشعل کے ساتھ ساتھ ہی دوڑنے لگا تھا۔ رحمن بابا نے ہاتھ بڑھا کر جیسے کچھ کہنا چاہا۔ یک بارگی پیچھے دروازے کی جانب مڑ کر دیکھا اور پھر مشعل کو سامنے دُھند میں غائب ہوتے دیکھ کر اُس نے بھی پیچھے دوڑ لگا دی۔

اب سب سے آگے ہیری تھا جو فاصلہ زیادہ ہونے پر رُک کر مشعل کے ساتھ ملنے کا انتظار کرنے لگتا

اور پھر مشعل کے قریب پہنچتے ہی وہ پھر سے اگلی جانب دوڑ لگا دیتا اور سب سے پیچھے ہاتھ میں ٹارچ پکڑے رحمن بابا بھاگے چلے آ رہے تھے۔

یونہی تینوں ریس لگائے بھاگے جا رہے تھے۔ جب تھوڑی ہی دیر میں مشعل شہریار کے قریب پہنچی تو ہیری پہلے سے ہی شہریار کے قریب کھڑا دم ہلا رہا تھا۔ جیسے وہ سب سے پہلے پہنچنے پر اپنی برتری کا احساس دلا رہا ہو۔ مشعل نے مڑ کر دیکھا۔ اب رحمن بابا بھی قریب پہنچنے والے تھے۔ جب تک رحمن بابا اُن کے پاس پہنچتے مشعل پھر سے شہریار کی نبض چیک کرنے کے بعد اُس کے بہتے خون کا جائزہ لے رہی تھی۔

''بی بی جی! یہ حادثہ کیسے ہوا؟''

رحمن بابا نے پہلے حادثے کی شکار گاڑی اور پھر زخمی حالت میں بے ہوش پڑے شہریار کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

لیکن مشعل نے رحمن بابا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

''رحمن بابا! آپ جلدی سے انہیں میری گاڑی میں پہنچائیں''

مشعل کی بات سن کر رحمن بابا فکر مند ہوتے ہوئے بولے:

''بی بی جی! آپ پولیس کو اطلاع کر دیں۔ کہیں آپ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''

''رحمن بابا! ان کا خون بہت بہہ چکا ہے۔ جلد سے جلد اگر انہیں کسی قریبی ہسپتال نہ لے جایا گیا تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''آپ جلدی کریں۔ انھیں میری گاڑی میں پہنچائیں۔''

رحمن بابا نے مشعل کی یہ بات سن کر مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ آگے بڑھے شہریار کے کاندھوں میں ہاتھ ڈال کر وہ بامشکل اُسے چند انچ ہی زمین سے اور اُٹھا پائے تھے۔ مشعل یہ دیکھ کر جلدی سے گاڑی کی جانب بڑھی۔ اُس نے پچھلے دروازے کو کھولا۔ پھر رحمن بابا نے شہریار کو سیٹ پر لٹا دیا۔

رحمن بابا کے باہر آتے ہی مشعل نے آگے بڑھ کر پھر سے شہریار کے سر کے نیچے نرم گدی رکھ دی تھی۔ مشعل کو ایسا کرتے دیکھ کر رحمن بابا معصومیت سے بولے:

''بی بی جی! جانتا تو تھا لیکن آج آپ کو دیکھ بھی لیا آپ کتنی اچھی انسان، سوشل ورکر ہیں۔''

رحمن بابا کی بات پوری ہونے تک مشعل ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد اُس نے رحمن بابا کو کچھ تاکید کی اور پھر وہ ہسپتال کی جانب بڑھ گئی۔

تھوڑا آگے جا کر اُس نے گاڑی خاص شاہراہ سے دائیں جانب نسبتاً چھوٹے روڈ پر موڑ دی تھی۔ ڈھلوان کی صورت میں سڑک نیچے آبادی کی طرف بڑھتی تھی۔ ڈھلوان پر نیچے اُترتے ہوئے اُس نے مڑ کر شہر یار کی جانب دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ آگے جا کر وہ پھر سے دائیں جانب مڑی، سامنے ایک چھوٹے سے ہسپتال کی عمارت تھی۔ اُس نے عمارت سے باہر گاڑی روکی۔ پھر وہ گاڑی سے اُتر کر تیزی سے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئی۔ جب وہ لوٹی تو ساتھ میں دو آدمی سٹریچر لا رہے تھے۔ انہوں نے شہر یار کو سٹریچر پر لٹایا اور وہ تیزی سے ایمرجنسی کی طرف بڑھے۔ جب وہ لوگ شہر یار کو ایمرجنسی کی طرف لے جا رہے تھے تو مشعل وارڈ کی مخالف سمت میں تیز تیز قدم بھرتی آگے بڑھی۔ آگے بڑھتے ہوئے وہ ایک دروازے کے پاس پہنچ کر رُک گئی۔ جس پر ڈاکٹر زوار کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ وہ دستک دیے بغیر تیزی سے دروازہ کھول کر اندر پہنچی۔ ڈاکٹر زوار رات کے اس پہر اپنا سر ٹیبل پر جھکائے سو رہا تھا۔ مشعل نے ڈاکٹر زوار کو کاندھے سے چھوا۔ اُس نے آہستہ سے اپنا سر اُٹھایا جیسے وہ ابھی غنودگی میں ہی تھا۔ پھر مشعل کو دیکھتے ہوئے حیرانگی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''مشعل آپ......!!''

''زوار جلدی سے ایمرجنسی چلیے۔ ایک شخص شدید زخمی حالت میں ہے۔ اُس کا خون بہت بہہ چکا ہے۔''

مشعل کی بات سنتے ہی وہ ایمرجنسی کی جانب بڑھا۔ جب تک وہ ایمرجنسی میں پہنچتا مشعل اُسے ساری روداد سے آگاہ کر چکی تھی۔ زوار، مشعل کے ساتھ ایمرجنسی میں داخل ہوا اور پھر جیسے ہی اُس کی نظر شہر یار پر پڑی تو جیسے اُس کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ وہ چیختا چلاتا شہر یار کی جانب بڑھا اور پھر فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے اُس نے شہر یار کا معائنہ شروع کیا۔ چھوٹے سے ہسپتال کی خالی پڑی ایمرجنسی میں اس وقت صرف شہر یار ہی زندگی اور موت کے بیچ کسی باریک پٹی پر کھڑا لایا گیا تھا۔

''تمہیں کچھ نہیں ہوگا شہر یار...... تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

ڈاکٹر زوار نے شہر یار کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اُس کے ہاتھ پر بوسہ دے کر کہا۔

پھر وہ پاس کھڑی مشعل کی جانب مشکور کن نگاہوں دیکھ کر بولا:

''مشعل آج آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ یہ میرے محسن سفیان غوری کا صاحبزادہ شہر یار ہے۔ میرا بچپن کا دوست، میرا بھائی۔''

پھر جیسے وہ مضطرب ہو کر بولا ''مجھے شہر یار کو لے کر فوراً کسی بڑے ہسپتال جانا پڑے گا۔ سر پر چوٹ گہری معلوم ہوتی ہے اور خون بھی بہت بہہ چکا ہے۔''

مشعل یہ سن کر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ صرف اتنا کہہ سکی۔

''زوار! آپ صرف میرا ایک کام کیجیے گا۔ شہر یار کو یہ مت بتانا کہ میں نے اُسے ہسپتال پہنچایا تھا۔''

''ہاں...... ہاں...... مشعل'' وہ مختصر جواب دے کر اب سٹریچر کے ساتھ ساتھ چلتا شہر یار کو لے کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ پھر جب تک مشعل اپنی گاڑی سٹارٹ کرتی زوار ایمبولینس پر شہر یار کو لے کر کسی بڑے ہسپتال کی جانب بڑھ چکا تھا۔

باب2

''آپ کو اندازہ ہے میں کتنی پریشان ہوں اور آپ ہیں کہ مسلسل ان نیوز چینلز میں کھوئے ہوئے ہیں۔''

صالحہ بیگم نے کہا تو سفیان غوری نے سن کر قہقہہ لگایا۔

''صالحہ بیگم! بالکل اندازہ ہے۔تبھی تو کہہ رہا ہوں پریشان نہ ہو۔بھئی! پہلے بھی تو تمہارا لاڈلا راتوں کو دیر سے ہی آتا ہے۔اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔آ جائے گا۔ہوگا کہیں دوستوں کے ساتھ۔''

سفیان غوری کی بات سنتے ہوئے بھی صالحہ بیگم مسلسل شہر یار کو کال لگانے کی کوششیں کر رہی تھی۔

''آپ کہہ رہے ہیں پریشان نہ ہو۔گھنٹہ پہلے بات ہوئی تھی اور وہ چند منٹوں میں پہنچنے کا کہہ رہا تھا۔اب تو اس کا فون بھی مسلسل آف جا رہا ہے۔میرا تو دل گھبرا رہا ہے سفیان......''

صالحہ بیگم نے یوں کہا جیسے اُن کی چھٹی حِس کسی انہونی سے آگاہ کر رہی ہو۔

''اُسے کم از کم فون تو آن رکھنا چاہیے تھا۔''

یہ کہتے ہوئے صالحہ بیگم نے اپنا فون نیچے رکھا اور پھر اُسے یوں دیکھتی رہی جیسے اگلے ہی لمحے اُنہیں شہر یار کی کال آنے کا یقین ہو۔

دفعتاً ہی سفیان غوری کے موبائل پر کال آنے لگی۔ سفیان غوری نے کال ریسیو کرتے ہوئے ریموٹ سے خاموشی (mute) کا بٹن دبایا اور پھر یوں بوکھلا کر بیڈ سے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ صالحہ بیگم بھی گھبرا گئیں۔

''کیا ہوا شہر یار کو بیٹا؟'' سفیان غوری کی بات سن کر زوار نے صرف اتنا کہا۔

''انکل! ابھی یہ بات آپ آنٹی کو نہ بتائیں۔ اُنہیں لے کر ہسپتال پہنچ جائیں۔''

زوار نے ہسپتال کا نام بتایا اور پھر فون بند کر دیا۔ سفیان غوری نے جلدی سے اپنا پرس اُٹھایا اور پھر بوکھلائے ہوئے باہر کی جانب دوڑے۔

''ارے کیا ہوا شہر یار کو؟ کس کا فون تھا؟ کچھ بتاؤ تو صحیح......'' صالحہ بیگم سفیان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

کار پورچ میں کھڑی گاڑی کے پاس آ کر سفیان نے صرف اتنا کہا:

''بیگم چلو جلدی گاڑی میں بیٹھو'' اور صالحہ بیگم ایک بار پھر سے سوال پہ سوال کرتی رہی۔

زوار شہر یار کو لے کر ایک بڑے ہسپتال پہنچ چکا تھا۔ جہاں شہر یار کی نازک حالت کے پیش نظر اُسے (آئی سی یو) انتہائی نگہداشت کی وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ اب وہ وارڈ کے دروازے سے باہر غمگین سا دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔ جب اُسے صالحہ بیگم اور سفیان غوری راہداری کے ایک سرے سے دوڑتے ہوئے اپنی جانب بڑھتے دکھائی دیے۔ دونوں زوار کے قریب پہنچے تو صالحہ بیگم رو رہی تھی۔ جیسے اُنہیں سفیان غوری راستے میں ہی سب بتا چکے تھے۔ قریب پہنچنے پر صالحہ بیگم نے روتے ہوئے زوار پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ زوار نے نم آنکھوں سے اُنہیں شہر یار کو پیش آنے والے حادثے سے آگاہ کیا اور پھر صالحہ بیگم کو راہداری میں لگی کرسیوں پر بیٹھا کر وہ سفیان غوری کو لیے ڈاکٹر کے کمرے کی جانب بڑھا۔

''سر پر چوٹ کتنی گہری ہے یا کس نوعیت کی ہے یہ ہمیں رپورٹس آنے پر معلوم ہوگا۔ ابھی تک ہوش نہیں آ رہا۔ آپریشن کرنا پڑ سکتا ہے۔''

ڈاکٹر جو اُنھیں معلومات دے رہا تھا سن کر سفیان غوری کو یوں لگا جیسے پگھلا ہوا سیسہ اُن کے کانوں میں انڈیل دیا گیا ہو۔

''انکل! خدارا آپ حوصلہ رکھیں۔ اگر آپ ہمت ہار گئے تو پھر آنٹی کا کیا ہوگا۔'' سفیان غوری کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے زوار نے کہا۔

ڈاکٹر کے کمرے سے باہر آ کر وارڈ میں آگے بڑھتے ہوئے جیسے سفیان غوری کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ پھر دور سے ہی اُن کی نظر صالحہ بیگم پر پڑی جو مسلسل روتے ہوئے آنچل سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ سفیان غوری اور زوار، صالحہ بیگم کے قریب آئے تو وہ بے تاب ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے سفیان؟''

''بیگم دُعا کرو'' سفیان غوری صرف اتنا کہہ سکے۔

صالحہ بیگم بے اختیار سفیان غوری کے کاندھے سے لگی رونے لگی۔ زوار صرف بے بسی سے دونوں کو دیکھتا رہ گیا۔

''انکل! شہریار کو اس وقت آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' زوار نے نم آنکھوں سے سفیان غوری سے کہا تو اُنھوں نے اُسے اپنے کاندھے سے لگا لیا۔

پھر وہ صالحہ بیگم سے مخاطب ہوا ''آنٹی! آج شہریار کو اُنہی دُعاؤں کی ضرورت ہے جو خدا اور ایک ماں کے درمیان کسی بھی پردے کے بغیر سُنی جاتی ہیں۔ ماں کی دعا تو سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آج میرے دوست کے لیے دعا کیجیے آنٹی''

''بیٹا! تم بھی اپنے دوست کے لیے دُعا کرو''۔ یہ کہتے ہوئے صالحہ بیگم نے زوار کو اپنے کاندھے سے لگایا تو بے اختیار دونوں کے آنسو نکل گئے۔

''پھر آئیں آنٹی! ہم مل کر شہریار کے لیے دُعا کریں گے۔'' زوار نے کہا۔

اور تینوں ہسپتال میں ہی بنی مسجد کی جانب بڑھے۔ یہ ایک کمرے پر مشتمل چھوٹی سی مسجد تھی جو ہسپتال کے عملے اور یہاں آنے والوں لوگوں کی سہولت کے لیے بنائی گئی تھی۔ تینوں مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ جب سب سے پیچھے آ رہے زوار کی نظر مسجد کی بیرونی دیوار پر لکھی عبارت پر پڑی۔

''تجھے نماز کی فرصت نہیں تعجب ہے''

کیسی سچی دل کو لگنے والی بات ایک ہی عبارت میں کہہ دی گئی تھی۔ ہم اپنی مصروفیات زندگی میں چند گھڑیاں نہیں نکال پاتے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسولe کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔

ہمارے آقائے دو جہاں محمد e نے جسے دین کا ستون کہا ہے ہم اُس ستون کے بغیر کیسے اپنی شناخت برقرار رکھ سکتے ہیں اور جب ہم پر کوئی دکھ یا مصیبت آ جائے تو ہمیں اللہ یاد آنے لگتا ہے۔ ایسا ہی کچھ سوچتے ہوئے زوار، سفیان غوری کے پیچھے مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد میں داخل ہو کر سفیان غوری اور زوار نے نوافل ادا کرنے شروع کر دیے۔ جبکہ صالحہ بیگم ایک کونے میں بیٹھی آنچل پھیلائے گڑگڑا کر دُعائیں کرنے لگی۔ نوافل سے فارغ ہو کر سفیان غوری اور زوار نے مسجد کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جبکہ صالحہ بیگم نے اوڑھی ہوئی شال سے سارے وجود کو ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف وہ واحد تھیں جو آنکھیں کھولے ورد کر رہی تھی۔ شاید وہ ایک لمحے کو بھی آنکھیں جھپکانا نہیں چاہتی تھی۔ کیا پتہ وہ آنکھیں جھپکائیں اور پھر اگلے ہی لمحے اُنہیں کیا خبر سننے کو مل جائے۔

اب فجر کا وقت ہو رہا تھا۔ مؤذن نے آ کر فجر کی اذان دی اور پھر اذان سے فارغ ہو کر اُن کی نظر ایک کونے میں بیٹھی صالحہ بیگم اور دوسری جانب سفیان غوری، زوار پر پڑی۔ ایک نظر صالحہ بیگم کی طرف دیکھ کر وہ زوار اور سفیان غوری کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ سفید بالوں اور سفید داڑھی والے ساٹھ، پینسٹھ سالہ بزرگ تھے۔

''اللہ بڑا کارساز ہے۔ بس جو مانگنا ہو سچے دل کے ساتھ بچوں کی طرح ضد کر کے اُس سے مانگو۔ وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ضرور سنے گا۔'' بابا جی نے اپنی بات ختم کی تو سفیان غوری نے بابا جی کے ہاتھ تھام لیے۔

''بابا میرا بیٹا بڑی نازک حالت میں ہے۔ وہ ہماری اکلوتی اولاد ہے۔ بابا ہمارے بیٹے کی زندگی کے لیے دعا کیجیے۔''

ادھر سفیان غوری نے التجا کی اُدھر سے صالحہ بیگم کی سسکیوں کی آواز آئی۔ بابا جی نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔ دُعا سے فارغ ہو کر اُنھوں نے صرف اتنا کہا ''دعا کی قبولیت کے لیے نماز کی پابندی

ضروری ہے۔اپنی نماز ادا کرو۔''

پھر وہ اُٹھ کر ایک جانب سنتیں ادا کرنے لگے۔سفیان غوری اور زوار نے بھی سنتیں ادا کیں۔پھر بابا جی نے جماعت کروائی۔سفیان غوری اور زوار نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔جبکہ صالحہ بیگم نے ایک کونے میں ہی بیٹھے نماز ادا کر لی تھی۔

نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔مسجد سے باہر اردگرد لگے پیڑوں پر موجود پرندے اپنی اپنی بولیوں میں حمد وثنا کر رہے تھے۔جب تینوں مسجد سے وارڈ میں آ چکے تھے۔جس جس کی کال آتی سفیان غوری اُنھیں شہر یار کی حالت سے آگاہ کرتے۔یوں کرتے کرتے قریبی عزیز واقارب اور صنعت کے اعلیٰ عہدیداران سے لے کر عام کارکن تک شہر یار کے حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی۔سفیان غوری نے سب کام بند رکھنے کا حکم دے دیا تھا۔گھر کے ملازمین سے لے کر صنعت میں کام کرنے والے ایک عام کارکن تک اپنے چھوٹے مالک کی زندگی کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔سفیان غوری جن کی دسترس میں دنیا بھر کی ہر شے تھی وہ اس وقت بے بس ولاچار دکھائی دے رہے تھے۔وہ پیسے سے دُنیا کی ہر چیز خرید سکتے تھے لیکن شہر یار کی سانسوں کے لیے اُنھیں صرف دُعاؤں کی ضرورت تھی۔

شہر یار کی رپورٹس آنے کے بعد اُسے فوراً آپریشن کے لیے لے جایا گیا تھا۔پچھلے چار گھنٹوں سے اُس کا آپریشن چل رہا تھا۔ڈاکٹروں کی ایک ماہر ٹیم اس آپریشن کو کامیاب بنانے میں لگی ہوئی تھی۔صنعت میں کام کرنے والے کارکن اپنے چھوٹے صاحب کی جان بچانے کے لیے دُعاؤں کے ساتھ ساتھ خون کا عطیہ بھی دینے آئے تھے۔ہر دل مضطرب تھا۔ہر آنکھ نم تھی اور ہونٹوں پر صرف دُعائیں تھیں۔

آپریشن تھیٹر کی لال بتی بجھی تو سب کی نگاہیں اب دروازے پر مرکوز تھیں۔جیسے ہی آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلتا تو سب کا دل دھک سے رہ جاتا لیکن ابھی تک کسی نے آکر اُنھیں آپریشن سے متعلقہ معلومات نہیں دی تھیں۔آپریشن تھیٹر کی لال بتی بجھے اب گھنٹہ بیت چکا تھا۔بالآخر ایک ڈاکٹر نے باہر آکر خوشخبری دی۔

''آپ سب لوگوں کی دعاؤں سے آپریشن کامیاب رہا ہے لیکن ہوش آنے تک کچھ نہیں کہا جا

سکتا۔ آپ لوگ دُعا کریں۔''

پہلی بات سن کر صالحہ نے شکر ادا کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے تھے۔ سفیان غوری، زوار ارد گرد موجود سب ہی لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی لیکن دوسری بات پر پھر جیسے سبھی اُداس ہو گئے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا میں اپنے بیٹے کو دیکھ سکتی ہوں؟'' صالحہ بیگم نے جس انداز میں دریافت کیا تھا اُن کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر نے انھیں تسلی دی۔

''دیکھئے یہ بات آپ کے بیٹے کے لیے ہی بہتر ہوگی کہ آپ میں سے ابھی کوئی بھی ان کے پاس نہ جائے لیکن آپ ایسا کریں۔ دوسرے کمرے میں چلی جائیں جہاں لگے شیشے میں سے آپ دور سے بھی اپنے بیٹے کو دیکھ سکتے ہیں۔''

ڈاکٹر یہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ تینوں ساتھ والے کمرے کی جانب بڑھے، کمرے میں آ کر اب اُن کے اور شہر یار کے درمیان صرف ایک شیشے کی دیوار تھی۔

شہر یار کو سامنے پٹیوں میں لپٹا دیکھ کر صالحہ بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔ آپریشن کے بعد شہر یار کے چہرے اور سر کو مکمل پٹیوں میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ زندگی بخش نلکیاں اُس کے جسم میں قطرہ قطرہ خون لوٹا رہی تھیں۔ جبکہ (Cardiac-Monitor) کارڈیک مونیٹر پر اُس کی زندگی کے آثار دکھائی دے رہے تھے لیکن اُس کا وجود مکمل ساکن تھا۔

صالحہ بیگم بے تاب ہو کر شیشے سے پیشانی لگائے رو رہی تھی۔ زندگی میں جسے ایک کانٹا بھی چبھتا تو وہ بے چین ہو جاتی تھی۔ اب اُسے یوں اس حالت میں دیکھ کر وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔ پاس کھڑے سفیان غوری اور زوار نے صالحہ کی ایسی حالت دیکھی تو وہ اُسے کمرے سے باہر لے آئے تھے۔ راہداری میں سے گزرتے ہوئے اُنھوں نے دیکھا اب وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ سبھی لوگوں کو وہاں سے ہٹایا جا چکا تھا۔

تینوں ہسپتال کی عمارت سے باہر سر سبز حصے میں آ کر بیٹھ گئے۔ صالحہ بیگم اور سفیان غوری کو بینچ پر بیٹھا کر زوار کچھ کھانے، پینے کی اشیاء لینے کینٹین کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جس جگہ صالحہ بیگم اور سفیان غوری بیٹھے تھے وہاں سے ہسپتال کی عمارت سے نکلتے اور داخل ہوتے سبھی افراد کو دیکھا جا سکتا تھا۔ کئی طرح کے

جذبات اور احساسات ایک ہی جگہ دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ اپنے پیاروں کی صحت یابی پر خوشی خوشی گھروں کو لوٹ رہے تھے کچھ مضطرب سے اپنے کسی نہ کسی جگر گوشے کو اُٹھائے ہسپتال میں داخل ہو رہے تھے۔ تو کہیں بے رحم موت نے صفِ ماتم بچھا رکھا تھا۔ سفیان غوری کچھ دیر تک ایسے ہی لوگوں کا مشاہدہ کرتے رہے۔ پھر اُن کی نظر صالحہ بیگم پر پڑی جو سر جھکائے اُداس بیٹھی تھی۔ سفیان غوری نے صالحہ بیگم کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسے تسلی دیتے ہوئے بولے:

''زندگی ہمیں کئی طرح کے دن دکھاتی ہے۔ صالحہ بیگم! اچھے بھی اور بُرے بھی۔ اچھے دنوں میں ہمیں اللہ کا شکر گزار بننا چاہیے توبُرے دنوں میں بالکل بھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ بس اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔''

آخری بات کہتے ہوئے اُن کی نگاہوں کے سامنے فجر کے وقت ملنے والے بابا جی کی تصویر آ گئی تھی۔

زوار اب کھانے پینے کی اشیاء لے کر پہنچ چکا تھا۔ صالحہ بیگم تو کچھ بھی کھانے کو تیار نہ تھی۔ سفیان غوری نے مشکل سے اُنھیں ایک جوس اور سینڈوچ کھلایا ساتھ ہی ظہر کی اذان ہونے لگی تھی۔

ظہر کے وقت اب مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سفیان غوری اور زوار نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی اور جب تک وہ نماز سے فارغ ہو کر صالحہ بیگم کے پاس پہنچے مسجد خالی ہو چکی تھی۔ اب صالحہ بیگم نماز کے لیے مسجد میں چلی گئی۔

''انکل! آپ آنٹی کے پاس رہیں میں شہریار کو دیکھ کر آتا ہوں۔''

زوار نے کہا اور پھر وہ ہسپتال کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

سفیان غوری کچھ دیر تو باہر ہی بیٹھے رہے۔ پھر وہ بھی مسجد میں داخل ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ صالحہ بیگم نماز سے فارغ ہو کر سجدے میں گر گئی۔

سفیان غوری نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے صالحہ بیگم سجدے میں پڑی تھی۔

''یا اللہ! میں تو تیرا گنہگار بندہ ہوں۔ اس سجدے میں پڑی دُکھیاری ماں کی ہی سن لے۔ بے شک تیری ذات بڑی رحیم و کریم ہے۔''

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے سفیان غوری اپنے بیٹے کی محبت میں سرشار رو ہی دینے والے تھے۔ جب زوار دوڑتا ہوا اس ایک کمرے پر مشتمل مسجد میں داخل ہوا۔ اُس کی نظر سجدے میں پڑی صالحہ بیگم پر پڑی۔

''آنٹی......اُٹھیے۔ انکل......شہریار!!'' اُس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ درست الفاظ ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ انکل شہریار کو ہوش آ رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے شہریار کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملا رہے تھے۔ صالحہ بیگم نے بھی زوار کے یہ الفاظ سن لیے تھے لیکن وہ سجدے سے نہیں اُٹھی بلکہ اُس کے رونے کی آواز اب بلند ہو چکی تھی۔

''ارے صالحہ بیگم! سنا تم نے ہمارے بیٹے کو ہوش آ رہا ہے۔''

سفیان غوری نے بھی رونی آواز میں کہا۔

''آنٹی! اب اُٹھیے خدارا......''

زوار نے کہا تو سفیان غوری نے آگے بڑھ کر صالحہ بیگم کو کاندھوں سے تھامے اُٹھایا۔ وہ مسکرا بھی رہی تھی جبکہ اُن کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل چکا تھا۔

''ہاں ہاں......تمہارے لال کو ہوش آ رہا ہے۔''

سفیان غوری نے کہا تو وہ بے اختیار سفیان غوری کے کاندھے سے لگ گئی۔ پھر پاس گھٹنوں کے بل کھڑے زوار کو بھی سفیان غوری نے کھینچ کر اپنے کاندھے سے لگا لیا تھا۔

باب 3

''بیگم صاحبہ وہ کوئی بڑے امیر گھرانے کا نوجوان لگتا تھا۔ یہ...... بڑی کالے رنگ کی کار تھی جو حادثے کا شکار ہو چکی تھی۔ مشعل بی بی نے مجھے بولا اس بے ہوش پڑے شخص کو میری گاڑی میں پہنچاؤ۔''

رحمن بابا بڑی تفصیل سے مشعل کی ماما فاطمہ بی کو رات ہونے والے واقعہ سے آگاہ کر رہا تھا۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے پھر بولا ''بیگم صاحبہ! مشعل بی بی نے ہی مجھے بولا تھا۔ گھر پہ کسی کو مت جگانا سب سو رہے ہوں گے۔ اسی لیے میں نے کسی کو جگایا نہیں تھا۔''

''مشعل پھر کتنے بجے لوٹی تھی۔ رحمن بابا؟'' فاطمہ بی نے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ! یہی کوئی رات ایک، ڈیڑھ بجے'' رحمن بابا نے کچھ یاد کرتے ہوئے جواب دیا۔

''رحمن بابا غلط...... ہم دو بجے لوٹے تھے۔'' دفعتاً ہی مشعل اُسی لمحے اپنے کمرے سے ہال میں پہنچی تھی۔ جب رحمن بابا فاطمہ بی کو وقت بتا رہے تھے۔ مشعل قریب آ کر صوفے پر بیٹھی فاطمہ بی کے پیروں میں ہی فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

''ہم آپ کو سب بتاتے ہیں فاطمہ بی''

مشعل نے کہا تو فاطمہ بی بڑے تجسس بھرے انداز میں مشعل کی جانب متوجہ ہوئی۔

''آپ جانتی ہیں رات ہماری فاؤنڈیشن کے پانچ سال مکمل ہونے کی تقریب تھی اور ہم آپ کو بتا

کر گئے تھے۔''مشعل نے ایک انگلی اُٹھا کر اشارے سے یاد دہانی کروائی۔

''ہاں بھئی یاد ہے۔اب آگے بولو'' فاطمہ بی نے جواب دیا۔

''رات کو ہم وٹ رہے تھے۔ہمیں گھر سے ذرا پہلے ایک گاڑی حادثے کی شکار ملی اور جو صاحب شدید زخمی پڑے تھے کوئی بھی وہاں ان کی مدد کے لیے موجود نہ تھا اور کیا بتائیں آپ کو؟'' وہ پہلو بدل کر بولی ''جب ہم رحمن بابا کو لے کر وہاں پہنچے تو رحمن بابا بولے ''بی بی جی آپ کسی مصیبت میں نہ پھنس جانا۔ آپ پولیس کو اطلاع کردو''

مشعل نے یہ الفاظ یوں ادا کیے جیسے اُس نے معصومیت سے رحمن بابا کو نقل کرنے کی کوشش کی۔پھر وہ سوالیہ انداز میں فاطمہ بی کی جانب متوجہ ہوئی۔

''اُس کا خون بہت بہہ چکا تھا اور آپ جانتی ہیں ہماری پولیس کو۔اگر ذرا اور دیر ہو جاتی تو شاید اُس کا بچنا مشکل ہو جاتا۔یہی وجہ تھی کہ ہم خود اُسے ڈاکٹر زوار کے پاس ہسپتال لے گئے تھے۔''

''فاطمہ بی ہم نے صحیح کیا نا؟'' وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں معصومیت لیے فاطمہ بی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

فاطمہ بی نے مشعل کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ اُسے اپنی بہادر بیٹی سے یہی توقع تھی۔

مشعل خوشی میں چہکی ''دیکھا رحمن بابا ہم نے صحیح کیا تھا'' وہ رحمن بابا کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں بی بی جی...... مجھے معاف کردو۔آپ نے صحیح کیا تھا'' رحمن بابا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ کیا کر رہے ہیں بابا۔ہم جانتے ہیں آپ کو ہماری بہت فکر تھی۔''

''ہمارا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ ہم آپکو غلط ثابت کریں۔آپ نے ہی تو اصل میں ہماری مدد کی تھی۔ ورنہ ہم بھلا اُس شخص کو گاڑی تک کیسے پہنچا سکتے تھے۔''

رحمن بابا نے جب یہ سنا تو وہ خوش ہو گئے۔

''بی بی جی میں آپ کے لیے اچھی والی، الائچی والی چائے لے کر آتا ہوں۔''

''شکریہ بابا''، مشعل نے مسکرا کر رحمن بابا کی جانب دیکھا جو رسوئی کی جانب بڑھ گئے تھے۔

''مشعل پھر پتہ چلا اب وہ کیسی کنڈیشن میں ہے؟''

فاطمہ بی نے سوال کیا تو مشعل فرش سے اُٹھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی:

''ہم نے زوار سے ایک بات کہہ دی تھی کہ وہ اُسے ہوش میں آنے کے بعد یہ نہ بتائے کہ ہم نے اُسے ہسپتال پہنچایا تھا۔'' پھر جیسے وہ حیرانگی سے بولی۔

''فاطمہ بی یہ اتفاق کی بات ہے۔ جب ڈاکٹر زوار نے ایمرجنسی میں اُس زخمی شخص کو دیکھا تو وہ ڈاکٹر زوار کا بڑا گہرا دوست نکلا۔ پھر خود زوار کی کیا حالت ہوئی ہم آپ کو بتا نہیں سکتے۔ اب وہ کس حال میں ہے یہ ہم نہیں جانتے۔''

''اور میں صرف یہ جانتی ہوں کہ میری دنیا کی سب سے بہادر بیٹی مشعل نیکی کسی پر احسان جتانے کے لیے نہیں کرتی۔'' یہ کہتے ہوئے فاطمہ بی نے مشعل کو پیار کرتے ہوئے اپنے سینے سے لگا لیا۔

عدنان بشیر، مشعل کے بابا شہر کے ایک بڑے اخبار کے نامور کالم نگار تھے اور شہر کی مشہور شخصیت تھے۔ فاطمہ بی کا تعلق ایک ادبی گھرانے سے تھا۔ اُن کی تین اولادیں تھیں۔ سب سے بڑی صنم بشیر، دوسرے نمبر پر مشعل بشیر اور سب سے چھوٹا طلحہ بشیر۔ جبکہ سرونٹ کوارٹر میں رحمن بابا اپنی بیوی سکینہ اور دو چھوٹی بچیوں کے ساتھ رہتے تھے۔

گھر میں سب سے بڑی بیٹی صنم کی شادی اپنے پھوپھی زاد عبید احمد سے ہوئے سات سال بیت چکے تھے۔ اُن کا ایک ہی اکلوتا چار پانچ سال کا بیٹا تھا جو کہ خاندان بھر کی آنکھ کا تارا تھا۔ صنم ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی تھی لیکن ایک احساس کمتری اُسے ہمیشہ محسوس ہوتی۔ وہ پیدائشی پھلبہری کے مرض کا شکار تھی۔ سکول، پھر کالج اور بعد میں یونیورسٹی سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے باوجود وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہی۔'' عبید احمد صنم کو بہت سمجھاتا کہ اُس نے صنم سے شادی کوئی اس پر ترس کھا کر نہیں کی۔ بلکہ وہ اسے بہت چاہتا ہے اور وہ اُس کی جسمانی ساخت کی بدصورتی کی بجائے اُس میں موجود اور کئی خوبیوں کی وجہ سے اُسے پسند کرتا ہے۔

لیکن آئینہ کہتے ہیں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ اپنے دل کو سمجھاتی، تسلیاں دیتی لیکن جب کبھی نہ کبھی اُسے آئینے کا سامنا کرنا پڑتا تو آئینہ اسے اپنا مزاح اُڑاتا دکھائی دیتا۔ یوں احساس کمتری کا بیج اُس میں پھلتا پھولتا قدآور درخت بن چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک پیارے سے بیٹے اور خاوند کی محبت اور اعتماد کے باوجود وہ جب کہیں اپنے اس مرض سے متعلق کوئی اشتہار دیکھتی فوراً اُن ادویات کا استعمال شروع کر دیتی تھی۔

آج اُسی صنم کا گھر بھر کو انتظار تھا۔ وہ اکثر اپنے میاں اور اکلوتے بیٹے اذان کے ساتھ ہفتہ کے آخری دن گزارنے میکہ چلی آتی تھی۔ صنم جب گھر پہنچی تو حسب معمول سبھی لوگوں نے اُس کا یونہی استقبال کیا تھا جیسے وہ کئی برسوں بعد گھر لوٹی ہو اور وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے۔ فاطمہ بی نے تو اُس وقت فون اپنے کان سے ہٹایا۔ جب صنم گھر سے باہر خاص دروازے پر پہنچ چکی تھی اور رحمن بابا بڑا آہنی دروازہ کھول چکے تھے۔ وہ بانہیں پھیلائے کار پورچ میں کھڑی تھی۔ وہ ہی نہیں بلکہ مشعل، سب سے چھوٹا طلحہ، رحمن بابا کی بیوی دونوں چھوٹی بچیاں اور اِدھر سے اُدھر پُھدکتا ہیری سب ہی صنم کو خوش آمدید کہنے کے لیے کھڑے تھے۔

جب سبھی اُسے اس قدر چاہتے تھے تو وہ بھی گاڑی سے اُترتے ہی سبھی کے لیے لائی چیزیں بانٹنا شروع ہو گئی تھی۔ سبھی اپنا اپنا حصہ پا کر چہک رہے تھے۔

''اور طلحہ بھائی یہ امپورٹڈ بسکٹ ہیری کے لیے کیچ اِٹ''

صنم نے طلحہ سے کہا اور جو بسکٹ ہوا میں اُچھالے تو ہیری نے ممکن حد تک اُنھیں ہوا میں ہی پکڑنے کی کوشش کی لیکن بسکٹ طلحہ کے ہاتھ لگ چکے تھے۔ اب وہ ایک ایک کر کے بسکٹ ہوا میں اُچھالتا اور ہیری بڑی پھرتی سے بسکٹ زمین پر گرنے سے پہلے ہی ہوا میں جمپ لگا کر پکڑتا اور نگل جاتا۔ یہ دیکھ کر رحمن بابا کی دونوں بچیاں اور اذان خوشی سے تالیاں بجانے لگے تھے۔

''طلحہ اِدھر'' مشعل نے طلحہ کو پکارا۔ طلحہ نے بسکٹ کا پیکٹ مشعل کی جانب اُچھال دیا۔ یہ دیکھ کر ہیری نے فوراً فلائنگ جمپ لگایا اور اس سے پہلے کہ پیکٹ مشعل کے ہاتھ لگتا وہ پیکٹ دبوچ کر ایک جانب کو بھاگ نکلا۔ سبھی کھڑے افراد نے مشعل کی جانب دیکھ کر یوں قہقہہ لگایا کہ وہ سب کو خود پر ہنستا

دیکھ کر منہ پھلائے پیر پٹختی اندر ہال کی جانب بڑھ گئی۔ اُسے یوں جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے پھر سے ایک قہقہہ بلند ہوا اور پھر سارے ہی افراد مشعل کے پیچھے پیچھے ہال میں داخل ہو گئے۔

''تمہاری تقریب کیسی رہی مشعل؟'' صنم نے ہال میں داخل ہو کر مشعل کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جی آپی آپ کی دُعا سے ہماری فاؤنڈیشن نے پانچ سال پہلے جس سفر کا آغاز کیا تھا آج سینکڑوں افراد اُس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے تقریب میں حاضر چند لوگوں نے اس بات سے متاثر ہو کر ہمیں سپورٹ کرنے کی حامی بھری ہے۔''

صنم نے مشعل کی بات سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُس کی مزید حوصلہ افزائی کی۔ سبھی کے بیٹھتے ہی رحمن بابا اور سکینہ اب بھاگ بھاگ کر سب کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ پھر عبید احمد فاطمہ بی سے مخاطب ہوئے:

''فاطمہ بی! آج بابا جانی کدھر رہ گئے ہیں؟''

''آپ لوگوں کے پہنچنے سے پہلے میری اُن سے بات ہوئی تھی۔ اُس وقت وہ اپنے دفتر سے نکلنے والے تھے۔ اب تو پہنچنے ہی والے ہوں گے۔'' فاطمہ بی نے جواب دیا۔

پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب عدنان بشیر بھی آ گئے تھے۔ پھر تو ہر طرف قہقہے ہی قہقہے بکھرنے لگے۔

عدنان بشیر بڑے ہی ہنس مکھ طبیعت کے مالک تھے۔ اگرچہ اُن کے کالم زیادہ تر سیاست جیسے خشک موضوعات پر ہوتے تھے لیکن اُن میں بھی وہ ہلکا پھلکا طنز و مزاح کا عنصر پیدا کر لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ اُن کے کالم بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔

عدنان بشیر جو اخبارات اپنے ساتھ لائے تھے صنم اب اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

''چلو میاں ذرا شطرنج کی بازی ہو جائے'' عدنان بشیر نے عبید احمد سے کہا۔

یہ سن کر مشعل جھٹ سے اُٹھی ''بابا آپ ہمیشہ عبید بھائی کو ہرا دیتے ہیں۔ آج ہم مل کر آپ کو ہرائیں گے۔''

عدنان بشیر یہ سن کر ہنستے ہوئے آگے بڑھے تو پیچھے آرہے عبید احمد نے سرگوشی والے انداز میں کہا:

''مشعل مجھے ہارنے ہی دو میرے سسر ہیں یار''

وہ یہ سنتے ہی ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ پھر تینوں ایک کونے میں جا کر براجمان ہو گئے تھے۔

''بابا جانی یو آر گریٹ''، صنم نے اپنے بابا کا کالم اخبار میں پڑھنے کے بعد خود سے ہی کہا۔

اب وہ اخبار کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اُس کی نظر ایک اشتہار پر رُک گئی۔

''برص، پھلبہری کے نشانات چند ماہ استعمال کے بعد فوراً غائب، آزمودہ نسخہ، منی بیک گارنٹی کے ساتھ''، صنم نے اشتہار کے ساتھ درج نمبر دیکھے اور پھر اپنے موبائل سے ایک نمبر ڈائل کیا۔ دوسری جانب چند رنگز کے بعد کسی نے کال ریسیو کی۔

''جی بالکل میڈم! اس میڈیسن کی ابھی تک ہمیں کوئی کمپلین موصول نہیں ہوئی۔ آپ اس کا استعمال کریں آپ کو ضرور فائدہ ہوگا۔''

صنم کے دریافت کرنے پر دوسری جانب سٹور ملازم اپنی ادویات کی تعریف کر رہا تھا۔

''آپ ایڈریس نوٹ کریں۔ اس ایڈریس پر مجھے یہ میڈیسن ارسال کر دیں۔''

''عدنان بشیر، ہاؤس نمبر گیارہ......''، صنم اب سٹور ملازم کو اپنا پتہ لکھوا رہی تھی۔ اپنے سسرال کے گھر کا پتہ شاید وہ اس وجہ سے نہیں بتا رہی تھی کیونکہ وہ یہ سب عبید احمد سے چھپا کر رکھنا چاہتی تھی۔

''میڈم ہمارا نمائندہ چند دنوں تک آپ کو میڈیسن پہنچا کر پیسے وصول کر لے گا۔ آپ کا بہت شکریہ''

''شکریہ''، صنم نے جواباً شکریہ کہا اور پھر فون بند کر دیا تھا۔

باب4

شہر یار کے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اُسے ایک گھنٹہ تک گھیرے رکھا اور پھر مکمل معائنہ کرنے کے بعد اُنھوں نے سفیان غوری اور صالحہ بیگم کو مبارک باد دی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دماغی چوٹ کی صورت میں مریض جب ہوش میں آتا ہے تو کوئی طرح کی شکایات سامنے آتی ہیں۔ یادداشت کا کھو جانا یا دکھائی نہ دینا لیکن یہ سب کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ ہوش میں آنے کے چند گھنٹوں بعد ہی شہر یار ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا۔ سر پہ چوٹ کے علاوہ اُسے ایک پاؤں پر فریکچر آیا تھا جو گاڑی میں سے گرتے وقت مڑ گیا تھا۔ باقی جسم پر معمولی خراشیں تھیں۔

نرس انجکشن لگا کر چلی گئی تو زوار شہر یار کے پاس ہی موجود تھا۔ صالحہ بیگم اور سفیان غوری کو بڑی مشکل سے زوار نے گھر بھیجا تھا۔ کیونکہ وہ مسلسل شہر یار کے پاس رہتے ہوئے بالکل آرام نہیں کر پا رہے تھے۔ اب جبکہ شہر یار بھی بہت بہتر ہو چکا تھا۔ تو ایک لحاظ سے اُنہیں تسلی ہو چلی تھی۔ زوار، شہر یار کی دلجمعی کے لیے کافی دیر سے اُس کے پاس بیٹھا مسلسل باتیں کیے جا رہا تھا لیکن شہر یار کہیں اور ہی سوچوں میں گم تھا۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے زوار نے شہر یار کی آنکھوں کے سامنے اپنا ایک ہاتھ لہرایا۔

''شہری کن سوچوں میں گم ہو؟'' یہ کہتے ہوئے وہ مُسکاتا ہوا کچھ شہر یار پر جھکا۔

''زوار...... وہ چہرہ'' شہر یار یہ کہتے ہوئے جیسے ابھی بھی کہیں خیالوں میں تھا۔

''چہرہ......!!'' زوار نے متعجب ہو کر شہر یار کے آخری لفظ کو دُہرایا۔

زوار کو یوں حیران دیکھ کر شہر یار پھر بولا۔

''نہ جانے اُس چہرے میں ایسا کیا تھا کہ ایک پل کو میں اپنی ساری تکلیف بھول کر بس اُس چہرے میں کھو گیا تھا اور جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو وہی چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔''

''اوہ......شٹ اپ مسٹر شہر یار غوری زندگی اور موت کی کشمکش سے باہر آئے ابھی چند گھنٹے نہیں بیتے کہ تمہیں یہ فلمی قسم کے ڈائیلاگ سوجھ رہے ہیں۔'' زوار نے جیسے طنزیہ انداز میں کہا۔

''آئی ایم ناٹ جوکنگ یار۔لگتا ہے اُسی لڑکی نے مجھے ہسپتال بھی پہنچایا ہوگا۔'' شہر یار مسلسل سنجیدہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

''یقیناً'' زوار نے فوراً جواب دیا جیسے وہ سمجھ گیا ہو کہ شہر یار کس لڑکی کی بات کر رہا تھا۔

زوار اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بولا'' اُس رات اگر وہ لڑکی جناب کو ہسپتال لے کر نہ آتی تو اب تک منکر نکیر حساب کتاب لے چکے ہوتے اور تمہارا ٹھکانا کہاں ہوتا وہ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں''

زوار اب شوخ انداز میں بات کر رہا تھا۔ جسے سن کر شہر یار مسکا تو رہا تھا لیکن ابھی بھی کسی گہری سوچ میں دکھائی دے رہا تھا۔

شہر یار کو پھر سے یوں خیالوں میں گم پا کر زوار بولا:

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے شہر یار اور میں اُسے بڑی اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ وہ فیملی میری......''

وہ کہتے کہتے جیسے رُک گیا۔ دفعتاً زوار کو مشعل کی کہی بات یاد آ گئی تھی۔ اُس نے زوار کو منع کیا تھا کہ وہ شہر یار کو یہ بات نہ بتائے کہ اُس نے اسے ہسپتال پہنچایا تھا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا؟ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔شہر یار کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ اگر اُس کے ایک پاؤں کو بیڈ سے ذرا اُٹھا کر باندھا نہ گیا ہوتا تو وہ کھڑا کرتب دکھانے لگتا۔

''آہاہا، ہاہا آ...... ہاہاہاہا آ'' وہ کھلکھلا رہا تھا۔ زوار میرے دوست تم کہاں کہاں میرے کام آ ؤ گے۔ اللہ تمہیں خضر جتنی عمر عطا کرے۔'' شہر یار خوشی میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

شہر یار کی باتیں سن کر زوار کو خود پہ غصہ آ رہا تھا۔ پھر یہ خیال ذہن میں آتے ہی کہ شہر یار کی جیسی حالت ہے اُسے خوش رکھنا ضروری ہے۔ وہ اُسے سارے ماجرے سے آگاہ کرنے لگا۔ دفعتاً دروازے پر کسی نے دو بار ٹُک ٹُک دستک دی اور دروازہ کھلا۔

''لو آ گئی محترمہ......'' یہ کہتے ہوئے زوار شہر یار کے پاس سے اُٹھا اور کمرے کے ایک کونے میں رکھے فریزر کی جانب بڑھا۔ انعم پھولوں کا بوکے لیے شہر یار کی جانب بڑھی۔

''ارے کون کہتا ہے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ خود کو آئینے میں دیکھا ہے۔ شہری! بہت ہینڈسم لگ رہے ہو۔ قسم سے۔'' پھولوں کا بوکے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ چہکتے ہوئے بولی:

''سوری......انعم! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔''

شہر یار یہ کہتے ہوئے زیر لب مسکایا۔ اُسے جب انعم کو تنگ کرنا ہوتا وہ یہی جملہ آزماتا تھا۔

''اوہ......ہیلو آرام سے میں تم سے شادی کروں گی۔ وہ تو انکل میرے پپا کے بہت اچھے دوست ہیں جو میں تمہارا حال دریافت کرنے چلی آئی۔''

پھر بات بیچ میں ہی ادھوری چھوڑ کر وہ گھورتے ہوئے شہر یار کی جانب دیکھ کر بولی

''ویسے میں جب کبھی تمہاری تعریف کروں تمہیں خوش فہمی کیوں ہونے لگتی ہے۔''

تیر صحیح نشانے پر لگا تھا۔ اب وہ اپنے دفاع میں بول رہی تھی۔

''میں تو شادی کروں گی کسی پاگل سے شخص کے ساتھ''

انعم کے یہ جملہ کہتے ہی زوار جو کہ فریزر سے پانی کی بوتل نکال کر پی رہا تھا۔ اُسے غوطہ لگا۔ اُس نے سارا پانی باہر اُگل دیا اور اب وہ اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہر یار نے بھی زوردار قہقہہ لگایا۔

''زوار کسی دن ہم دونوں چلتے ہیں مینٹل ہوسپٹل اور انعم تم بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہو یا ہم خود ہی ڈھونڈیں تمہارے لیے وہ پاگل۔'' شہر یار نے ذرا شریر انداز میں کہا۔ انعم اپنے اوپر ہوتا حملہ دیکھ کر جیسے سنبھلی۔

''ارے تم لوگ کون سا پاگل سمجھ بیٹھے۔ میں تو اُس قسم کے پاگل کی بات کر رہی تھی۔ جس کے

بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ شخص پڑھ پڑھ کر پاگل ہو چکا ہے۔ جو کسی یونیورسٹی میں پانچ دس سال لگا کے کچھ بنتے ہیں۔'' انعم نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دباتے ہوئے بھنوئیں اُٹھا کر ڈاکٹر زوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہ ابھی بھی ایک کونے میں ہی کھڑا تھا۔

زوار نے لمحہ بھر کو انعم کی جانب دیکھا۔ اب وہ شہر یار کی جانب متوجہ تھی۔ وہ بڑی بڑی آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے بول رہی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے کانوں میں گول بڑے بڑے جھمکے ہلتے ہوئے اُس کے گورے چٹے گالوں کو چھو رہے تھے۔ چوڑی پیشانی پر کٹے ہوئے بال یوں پھیلے ہوئے تھے کہ وہ جب کبھی آنکھوں میں جانے لگتے تو وہ اپنی قلم جیسی اُنگلیوں سے اُنھیں ہٹانے لگتی۔ زوار من ہی من میں بچوں جیسے شرما کے رہ گیا تھا۔

وہ جب بھی اکٹھے ہوتے تینوں کے درمیان ایسے نوک جھونک چلتی ہی رہتی تھی۔ انعم شہر کے مشہور جسٹس معین نوازش کی اکلوتی اولاد تھی۔ انعم کے پپا معین نوازش شہر یار کے پپا سفیان غوری کے اتنے گہرے دوست تھے کہ اب اُن کی خواہش تھی کہ یہ گہری دوستی رشتہ داری میں بدل جائے۔ اس کے برعکس انعم کو شہر یار میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ شہر یار میں کوئی کمی تھی۔ بلکہ اصل بات یوں تھی کہ جب شہر یار کے توسط سے انعم ڈاکٹر زوار سے ملی تو اُسے ڈاکٹر زوار میں دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی اور اس بات کا اظہار وہ اکثر باتوں ہی باتوں میں کر جایا کرتی تھی۔ اس طرح یہ بات زوار اور شہر یار سے بھی پوشیدہ نہ تھی۔ انھیں گپ شپ کرتے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ جب صالحہ بیگم اور سفیان غوری کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ چند گھنٹے گھر پر آرام کرنے کے بعد اب کھانا تیار کروا کر لائے تھے۔ انعم کو شہر یار کے پاس دیکھ کر دونوں بہت خوش ہوئے۔ پھر دونوں کے اصرار پر انعم نے بھی سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد صالحہ بیگم نے بڑی شفقت سے زوار کو گھر جا کر آرام کرنے کو بولا۔ پہلے تو وہ ٹالتا رہا لیکن پھر اُسے ہار ماننا ہی پڑی۔ وہ اجازت لے کر جیسے ہی کمرے سے نکلنے لگا۔ انعم اپنی نشست سے اُٹھتے ہوئے بولی:

''زوار! میرا ڈرائیور ابھی تک گاڑی لے کر نہیں پہنچا۔ اگر آپ مجھے بھی ڈراپ کر دیں؟''

''وائے ناٹ انعم...... آیئے ضرور'' زوار نے کہا تو انعم بھی سب سے اجازت لے کر زوار کے ساتھ

ہی چلی گئی۔

''کتنا کمزور ہو گیا ہے میرا بیٹا'' صالحہ بیگم نے شہر یار کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو کہ اب سیب کاٹ رہی تھی اور پھر سیب کی ایک پھانک شہر یار کی جانب بڑھائی۔

''ماما! آپ جانتی ہیں مجھے ہوسپٹل کس نے پہنچایا تھا؟''

شہر یار نے اپنی مما کے ہاتھ سے سیب کی پھانک لیتے ہوئے کہا:

''ارے ہاں بیٹا...... یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔کون تھا وہ فرشتہ؟''

صالحہ بیگم کی بات سن کر پاس ہی بیٹھے سفیان غوری جو کہ کسی اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔وہ بھی متوجہ ہو کر سننے لگے۔

''وہ فرشتہ تھا نہیں فرشتہ تھی مما'' شہر یار نے کہا۔

''اچھا! تو وہ ایک لڑکی تھی'' صالحہ بیگم نے پُرتجسس انداز میں کہا۔

''مما زوار ہی مجھے بتا رہا تھا کہ وہ اُن کا فیملی ڈاکٹر ہے اور وہ مشہور کالم نگار عدنان بشیر کی بیٹی ہے''

شہر یار کی بات سن کر سفیان غوری بولے''بیٹا! عدنان بشیر کو تو سبھی جانتے ہیں اور میں تو ان کے کالم بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُن کی صاحبزادی بھی اُنہی کی طرح بے باک، نڈر اور ہمدرد انسان ہے۔'' سفیان غوری نے یوں چن کے الفاظ ادا کیے جیسے دونوں باپ بیٹی کی ایک ساتھ ہی تعریف کر دی تھی۔

''بیٹا اتنی اہم بات زوار نے ہم سے چھپائے رکھی اُسے یہ بات ہمیں بتانا چاہیے تھی۔'' صالحہ بیگم نے جیسے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

''اس غلطی کی زوار کو یہ سزا ملنی چاہیے کہ وہ ہمیں خود اپنے ساتھ عدنان بشیر کے گھر لے کر جائے اور ہم ان کی صاحبزادی کا شکریہ ادا کریں۔''

سفیان غوری نے صالحہ بیگم کی بات کے جواب میں کہا۔اُس ماہ نور کے گھر جانے والی بات سن کر شہر یار کا دل جیسے سینوں اُچھل کر باہر آنے لگا تھا۔اس کا بس چلتا تو وہ ابھی اٹھ کر کہتا''مما...... پپا! میں بالکل ٹھیک ہوں''

اور پھر وہ سب کے ساتھ اس ماہ نور کے گھر اس سے ملنے چلا جاتا۔ پھر وہ دیر تک اِسی خوشی سے سرشار رہا۔

اگلے روز زوار کے آنے پر صالحہ بیگم اور سفیان غوری اُس سے شکایت کرتے رہے۔ پھر زوار نے جیسے ہار مان کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ انھیں ضرور مشعل کے گھر لے کر چلے گا۔ طے یہ پایا کہ شہریار کی صحت یابی کے بعد سبھی عدنان بشیر کے گھر اُن کی صاحبزادی کا شکریہ ادا کرنے چلیں گے۔

اگلے چند روز بعد ہی سفیان غوری ڈاکٹر سے ملے۔ وہ چاہتے تھے کہ اب شہریار کا باقی علاج گھر پر ہی ہو تاکہ وہ ہسپتال کے اس حبس زدہ ماحول سے جلد سے جلد باہر آ جائے لیکن ڈاکٹر ابھی اُسے ہسپتال سے ڈسچارج کرنے پر راضی نہ تھے۔ پھر جب سفیان غوری نے بتایا کہ وہ علاج کی تمام تر سہولیات گھر پر ہی لینا چاہتے ہیں تو وہ یوں راضی ہو گئے۔

اُسی روز شہریار کو گھر لے جانے کے لیے ہسپتال کے پارکنگ ایریا میں گاڑی بالکل تیار کھڑی تھی۔ پاؤں پر موجود پلاسٹر کی وجہ سے شہریار کو وہیل چیئر پر بٹھایا گیا تھا۔ تاکہ آسانی سے باہر گاڑی تک لے جایا جاسکے۔ وہ وارڈ کے کمرے سے باہر آیا تو چند ڈاکٹر اور نرسیں اُس کے لیے پھول لیے کھڑے تھے۔ وہ ایسا ہی تھا جہاں جاتا یونہی لوگوں کے دل جیت لیا کرتا تھا۔ پھولوں کے ساتھ وہ پھولوں جیسی مسکراہٹ چہرے پر سجائے گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی گھر کی جانب روانہ ہوگئی۔

باب 5

خوبصورت محل نما گھر نے آج بہت دنوں بعد اپنے لاڈلے راج کمار کا دیدار کیا تھا۔ گھر کے خاص دروازے سے کار پورچ تک موجود راستے کے دونوں طرف وسیع لان تھا جس میں پھول تو موجود ہی تھے خود بڑے بڑے پھولوں کے گلدستوں سے راستے کو سجانے کا سہرا انعم اور زوار کو جاتا تھا۔ شہریار کے گھر آنے کی خوشی میں خوبصورت قہقہوں سے سبھی شام اور پھر رات تو گزر گئی لیکن اگلی صبح وہ اپنے ساتھ پیش آئے حادثے کو لے کر شدید افسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ اُسے بے حد پیارے مما، پپا سے خدمت کروانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگرچہ گھر میں بہت سے نوکر چاکر موجود تھے لیکن اس سب کے باوجود صالحہ بیگم اور سفیان غوری اُس کی خدمت میں لگے رہتے اور یہی بات اُسے بُری محسوس ہو رہی تھی۔ بستر سے وہیل چیئر اور وہیل چیئر سے بستر اب شہریار کا دن اور رات کا یہی معمول بن کے رہ گیا تھا۔ ایک دن اُکتاہٹ محسوس کرنے پر اُس نے اپنے پینٹ اور برش نکلوائے اور پھر لان میں سردیوں کی ٹھنڈی نرم دھوپ میں بیٹھے اس نے برش اُٹھایا اور ساتھ ہی جیسے وہ کہیں خیالوں میں کھو گیا تھا۔ شدید سردی ہر طرف چھائی گاڑھی دُھند اور وہی مہتابی چہرہ۔ اُس نے برش کو پینٹ میں گھمایا اور اُس کے ہاتھ تیز تیز کینوس پر چلنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کینوس پر ایک حسین چہرہ نمودار ہونے لگا جسے دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی اپسرا کے گرد کوئی نور کا ہالہ اُس کی حفاظت پر معمُور ہو۔ شہریار نے حادثے والی رات اُس ماہ نور کی

دیکھی اِک جھلک کو ویسے ہی کینوس پر امر کر دیا تھا۔ یہ لازوال شاہکار دیکھ کر سب سے پہلے گھر کا ملازم رُستم دنگ رہ گیا۔

شہر یار نے برش نیچے رکھتے ہوئے بائیں جانب دیکھا۔ رُستم ہاتھ میں چائے لیے بنا آنکھیں جھپکے تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔

''رُستم'' شہر یار نے اُسے پکارا۔

''جی صاحب'' رُستم جیسے ہڑبڑایا اور پھر چائے اُس کے ہاتھ میں چھلکی۔

''معاف کرنا صاحب بیگم صاحبہ نے آپ کو چائے دینے کو بولا تھا۔''

رُستم کے معافی مانگنے کی وجہ یہ تھی کہ شہر یار نے کسی بھی ملازم کو اپنے پاس آنے سے منع کر رکھا تھا۔

''چلو ایسا کرو یہ چائے نیچے رکھو اور جاؤ تم۔'' شہر یار کی بات سن کر ملازم نے چائے رکھی اور چلا گیا۔ ملازم کے چلے جانے کے بعد شہر یار نے تصویر کو مکمل ڈھانپ دیا جیسے وہ چاہتا تھا کہ کوئی اور اس تصویر کو نہ دیکھ پائے۔ پھر اُس نے ملازم سے کہہ کر تصویر کو اپنے کمرے میں پہنچا دیا۔ رات کو جب وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں پہنچا تو باہر پڑی تصویر پر نگاہ پڑنے پر اُس نے اُسے اپنی الماری میں لاک کر دیا تھا۔

وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے ہی رواں رہتا ہے۔ کہیں تیز یا آہستہ نہیں۔ یہ تو ہماری مصروفیات کے پیمانے ہیں کہ امتحانات کے دنوں میں ایک طالب علم کے لیے وقت یوں پر لگا کر اُڑ جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وقت کتنی تیزی سے گزر گیا۔ جبکہ وہی گھڑیاں کسی بستر پر پڑے مریض کے لیے طویل ہونے لگتی ہیں۔ ایسی ہی بوجھل، طویل گھڑیوں سے اس وقت شہر یار گزر رہا تھا۔ ان دنوں اُسے ایک اور کمی کا شدت سے احساس ہوا تھا اور وہ کمی کسی بہن یا بھائی کی صورت میں تھی لیکن زوار اور انعم کی طرف دھیان جانے پر وہ پرسکون ہو جاتا۔ کیونکہ دونوں نے ہی اُس کے لیے بھائی اور بہن کی کمی بڑی اچھی طرح پوری کر دی تھی لیکن انعم کو لے کر اُس کے ممی پپا جو چاہتے تھے یہ خیال فی الحال اُس نے اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ گھر پر حال احوال دریافت کرنے والوں کا جو تانتا بندھا رہتا تھا اب اُس آمد و رفت میں کمی واقع ہو چکی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شہر یار اب بہتر ہو چکا تھا۔ پاؤں پر موجود پلاسٹر اُتر چکا تھا۔ صرف ڈاکٹر نے

اُسے چندروز پاؤں پر بوجھ ڈالنے سے منع کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کچھ لنگڑا کر چلتا تھا۔

اب پچھلے چندروز سے شہریار نے زوار کو مشعل کے گھر چلنے کے لیے اتنی مرتبہ یاددہانی کروائی تھی کہ یہ اِسی برکت کا اثر تھا کہ ایک روز جب زوار، شہریار کے گھر موجود تھا سفیان غوری اور صالحہ بیگم نے عدنان بشیر کی طرف چلنے کا پروگرام بنایا اور پھر اگلے ہی روز شہریار غوری کا لنگڑا پن بھی چھومنتر ہو چکا تھا۔ آج اُسے تیار ہونے میں بہت دیر لگ رہی تھی۔ زوار جو اس کے ساتھ کمرے میں ہی موجود تھا اسی بات کو لے کر اسے بار بار سنا رہا تھا۔ زوار کی ہر بات کو نظر انداز کیے اب شہریار قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ زوار کی جانب پلٹا۔ زوار جو اُسے کافی دیر سے ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا۔ اپنی نشست سے اُٹھا اسنے ذرا جھک کر ایک ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

''عالی جاہ! اب چلیے باہر بگھی آپ کے لیے بالکل تیار کھڑی ہے اور درباری اب نیچے بڑی بے صبری سے انتظار فرما رہے ہیں۔''

زوار کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اپنی بغل میں دبا کر شہریار دروازے کی جانب بڑھا اور پھر سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے زوار سے جانے کیا کہا کہ دونوں دیر تک قہقہہ لگاتے رہے۔

ہال میں بیٹھے اُنھیں کچھ ہی دیر گزری تھی جب صالحہ بیگم اور سفیان غوری بھی اپنے کمرے سے آ پہنچے تھے۔ پھر سفید رنگ کی پریڈو پر سوار سب عدنان بشیر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

باب6

گاڑی عدنان بشیر کے خوبصورت بنگلے سے باہر آ کر رُکی تو ملازم نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ زوار عدنان بشیر کو پہلے سے سفیان غوری اور ان کے خاندان کی آمد کے بارے میں بتا چکا تھا اور عدنان بشیر فاطمہ بی کو صبح سے ہی مہمانوں کی آمد سے آگاہ کر چکے تھے لیکن صرف مشعل کو اس بات سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ ہفتہ کے آخری دن ہونے کی وجہ سے عبید احمد اور صنم بھی آئے ہوئے تھے۔ سبھی نے مہمانوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ پھر سب کے ساتھ شہر یار بھی ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا لیکن اس لمحے اُس کی دھڑکن معمول سے زیادہ تیز ہو رہی تھی۔ چھوٹے سے بنگلے میں رہنے والے ادبی ذوق وشوق کے مالک عدنان بشیر اور فاطمہ بی نے بڑے پیار سے اُسے آراستہ کر رکھا تھا۔ جسے دیکھ کر کوئی بھی آنکھ داد دیے بغیر نہ رہ پائی تھی۔

''ہم لوگ سنتے ہی تشریف لانے والے تھے لیکن پھر شہر یار کی حالت کچھ ایسی تھی جسے دیکھتے ہوئے ہم نہیں آ پائے۔''

سفیان غوری نے جیسے بیٹھتے ہی بات کا آغاز کیا۔

''اُس رات آپ کی صاحبزادی نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے ہمارے بیٹے کو ہسپتال پہنچایا تھا۔ ہم تو آپ کی بیٹی کا احسان کبھی نہیں چکا سکتے۔''

صالحہ بیگم کی بات سنتے ہی فاطمہ بی بولیں ''مشعل بیٹی پہ ہمیں فخر ہوتا ہے لیکن وہ یہ احسان والی بات

کبھی پسند نہیں کرتی۔''

''اِن کا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری بیٹی مشعل ایسے کاموں کو اپنا فرض سمجھتی ہے۔ کیوں بیٹا زوار''

عدنان بشیر نے جیسے خاموش بیٹھے زوار کو بھی گفتگو کا حصہ بنانے کے لیے کہا۔

''جی بالکل انکل...... میں مشعل کے بارے میں اکثر ذکر کرتا ہوں'' زوار نے مختصر جواب دیا۔

''ہمیں اب جلدی سے مشعل بیٹی سے ملوا دیں۔ اب تو صبر نہیں ہوتا۔''

صالحہ بیگم نے کہا تو فاطمہ بی یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی کہ وہ مشعل کو لے کر آتی ہے۔

''آپ اب کیسے ہیں بیٹا؟'' عدنان بشیر نے شہریار سے دریافت کیا۔

''آئی ایم فائن انکل۔ سب لوگوں نے خدمت ہی اتنی کی ہے کہ میں اتنی جلدی اچھا ہو گیا ہوں۔''

شہریار نے جواب دیا تو عدنان بشیر سب کو مشعل کے بارے میں بتلانے لگے۔

''ماشاءاللہ میری بیٹی بڑی قابل ہے۔ شروع سے ہی جو ٹھان لیتی تھی پھر وہ کام کر کے ہی رہتی تھی۔ ارادہ تو اِس کا چائلڈ اسپیشلسٹ بننے کا تھا پھر جانے کیا دل میں سمائی کہ فارمیسی کی طرف چلی گئی اور پھر اپنی فیلڈ میں جانے کی بجائے فاؤنڈیشن بنالی۔ اب میری بیٹی ایک رفاہی ادارہ چلا رہی ہے۔''

عدنان بشیر نے اپنی بات مکمل کی تو سبھی کی اب مشعل سے ملنے کے لیے بے تابی بڑھ گئی تھی۔ جبکہ شہریار کا دل اس وقت چاہ رہا تھا کہ مشعل کے بابا خاموش نہ ہوں اور وہ اُسی سے متعلق باتیں کرتے رہیں۔

مشعل اب گھر پہنچ چکی تھی۔ فاطمہ بی نے اُسے مہمانوں کی آمد کے بارے میں آگاہ کیا تو اُسے یہ سن کر ڈاکٹر زوار پر سخت غصہ آیا۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے فاطمہ بی اور اپنے بابا کی خاطر ڈرائینگ روم میں آنا پڑا۔

مشعل فاطمہ بی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ سبھی اُسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سفیان غوری نے آگے بڑھ کر شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور صالحہ بیگم نے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''آپ کیسے ہیں اب؟'' وہ شہریار سے مخاطب تھی۔

اور وہ جیسے بت بنا کھڑا تھا۔ جب پاس کھڑے زوار نے اُسے ٹھوکا لگایا۔

''جی'' وہ فقط اتنا ہی کہہ پایا۔

''اب آپ ٹھیک ہیں ناں؟'' مکمل جواب نہ پا کر مشعل نے پھر دریافت کیا۔

''جی بالکل......آئی ایم فائن'' شہریار نے جواب دیا۔

مشعل نے گھورتے ہوئے ساتھ کھڑے زوار کی طرف دیکھا جس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے معافی چاہی۔ مشعل وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہری اور اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ جانے اس کے آنے پر کیا فسوں تھا کہ شہریار کو لگا جیسے وہ اُسے دیکھ ہی نہ پایا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد فاطمہ بی نے سبھی کو کھانے کے لیے بلایا تو سفیان غوری اور صالحہ بیگم یہی کہتے رہ گئے کہ انھیں یہ تکلف نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جبکہ فاطمہ بی کا کہنا تھا کہ یہ ان کے گھر کی ریت ہے کہ وہ مہمانوں کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دیتے۔ پھر مشعل اور صنم کے علاوہ سبھی گھر کے افراد مہمانوں کے ساتھ ہی کھانے پر موجود تھے۔ کھانے کے دوران ہی شہریار کی طلحہ سے اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ کھانا کھاتے ہی وہ شہریار کو لے کر باہر لان میں آ گیا تھا۔

''شہریار بھائی! آپ نے سب سے ہی مل لیا آئیں میں آپ کو ہیری سے بھی ملواتا ہوں۔''

''ہیری!''

شہریار نے کہا اور طلحہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ لان کے ایک کونے میں پہنچ کر طلحہ نے سیٹی بجائی اور ساتھ ہی ہیری دم ہلاتا اپنے لکڑی کے بنے گھر سے فوراً باہر آ گیا تھا۔

''شہریار بھائی! یہ ہمارا ہیری ہے۔'' طلحہ نے کہا۔

''اچھا ہے لیکن اس کا نام کس نے رکھا تھا؟'' شہریار نے سوال کیا۔

''بابا جانی جب اسے لے کر آئے تو یہ ڈیڑھ ماہ کا تھا۔ مشعل آپی کو ہیری پوٹر سیریز اتنی پسند ہے کہ اِس کے آتے ہی اُنھوں نے اس کا نام ہیری رکھ دیا اور پھر سبھی اِسے ہیری بلانے لگے۔''

شہریار کو یہ سن کر اچھا لگا کہ اُسے مشعل کے بارے میں کچھ مزید معلومات مل رہی تھیں۔ پھر طلحہ شہریار کو ہیری کے کارناموں کی تفصیل بتانے لگا۔ جب تھوڑی ہی دیر بعد اُسے زوار کی آواز سنائی دی۔ وہ اُسے بلا رہا تھا اور اب سب ہی رُخصت کے لیے اجازت لے رہے تھے۔ شہریار نے بھی سب کے پاس آ کر ان سے الوداعی ملاقات کی۔ رات ہونے کے بعد اب کارپورچ اور لان میں قطار میں لگے

برقی قمقمے روشن کر دیے گئے تھے جن کی ملگجی روشنی میں شہریار نے پیچھے نظر دوڑائی۔ ایک لمحے کو اُسے لگا مشعل سب سے پیچھے کھڑی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی لیکن پھر غور کرنے پر اُسے پتہ چلا کہ وہاں مشعل نہیں بلکہ اس کی بڑی بہن صنم تھی۔ یوں جاتے جاتے بھی وہ اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔

باب 7

مہمانوں کے چلے جانے کے بعد جب سبھی ہال میں بیٹھے اُنہی سے متعلق گفتگو کر رہے تھے رحمن بابا ایک پارسل ہاتھ میں پکڑے صنم کے قریب آئے۔

''بی بی جی! یہ آپ کا نام لے کر کسی نے دیا ہے۔''

رحمن بابا کی بات سن کر صنم فوراً اُٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں......ہاں!! بابا یہ......وہ لائیں مجھے دیں۔''

وہ ہڑبڑائی لگ رہی تھی۔ پارسل رحمن بابا سے لے کر صنم نے اپنے پرس میں سے کچھ پیسے نکال کر اُسے دیے کہ باہر موجود شخص کو دے دیں۔

رحمن بابا پیسے لے کر باہر کی جانب بڑھ گئے۔ پھر صنم وہاں رُکی نہیں۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تو مشعل بھی اُٹھ کر اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ صنم کے اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی مشعل نے پیچھے سے آتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ کیا ہے صنم آپی؟''

''ہاں مشعل! یہ وہ......میڈیسن ہے۔''

صنم جیسے چھپانا چاہتی تھی لیکن پارسل ہاتھ میں ہی پکڑے ہونے کی وجہ سے وہ چھپا نہ سکی۔

''صنم آپی! اب چھوڑ دیں ان ادویات کا استعمال۔ آپ کو پتہ ہے ان ادویات کے استعمال سے بعد میں کیسے کیسے سائیڈ افیکٹس سامنے آتے ہیں''مشعل نے جیسے صنم کو سمجھانے کے لیے کہا۔

''مشعل یہ آزمودہ نسخہ ہے۔اس کے استعمال کے بعد میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ ویسے بھی سٹور والا کہہ رہا تھا اس میڈیسن کا رزلٹ سو فیصد آ رہا ہے۔''

صنم کی بات ختم ہوتے ہی مشعل فوراً بولی''آپی سٹور والوں کا کیا ہے۔انہوں نے تو ادویات بیچ کر اپنا منافع کمانا ہوتا ہے۔اگر آپ علاج کروانا ہی چاہتی ہیں تو آپ اسپیشلسٹ سے مشورہ کرنے کے بعد میڈیسن کا انتخاب کریں۔''

''اچھا بھئی! پتہ ہے۔تم نے (Pharm D) کی ڈگری لے رکھی ہے۔اب چھوڑو بھی...... یہ بتاؤ کیسے لگے تمہیں وہ؟''صنم نے جیسے بات ٹالنے کے لیے بات نکالی۔

''چھوڑیں آپی۔آپ کو سمجھانا بھی ناں بے کار ہے۔صنم کی آخری بات کو خاطر میں لائے بغیر ہی مشعل اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

مشعل کو جاتا دیکھ کر صنم اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور پھر میڈیسن والا پارسل ہاتھ میں ہی پکڑے ہوئے وہ قدِآدم آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔آنکھوں کے اردگرد، ہونٹوں پر پھلبہری کے نشانات اسے بدصورت بنا رہے تھے۔دفعتاً ہی آئینہ کسی طلسماتی آئینے کی طرح منظر بدلنے لگا۔صنم نے آئینے میں دیکھا ماضی کی کئی تلخیاں پھر سے اُس پر عیاں ہو رہی تھیں۔

''صنم آپی آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔''

آزر نے کہا اور پھر یوں بچوں کی طرح شرمانے لگا۔لڑکپن کا پہلا پہلا پیار تھا۔صنم نے مسکانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے سر کو دائیں بائیں ہلایا جیسے سامنے کا منظر حقیقت تھا اور جہاں وہ اب کھڑی تھی وہ خواب۔

صنم اور آزر کے گھر ساتھ ساتھ ہی تھے۔ وہ نہ صرف ہم عمر تھے بلکہ ہم جماعت بھی تھے۔ اب اسے وہ منظر دکھائی دے رہا تھا جب آزر کی باتیں سن کر ہنستے ہنستے اُس کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ یوں وہ آئینے کے سامنے کھڑی بھی ہنسے جا رہی تھی۔ پھر دفعتاً ہی جیسے وہ اداس ہو گئی۔ آئینے میں پھر سے ایک منظر اُبھر رہا تھا۔

وہ پلیٹ میں کھانے کی کوئی چیز لیے آزر کے گھر داخل ہو رہی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی جو آوازیں اس نے سنیں وہ وہیں رُک گئی۔

''آزر بیٹا! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے''

''مما میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے صنم سے ہی شادی کرنی ہے۔'' آزر اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔

''میں اپنے بیٹے کے لیے چاند سی دُلہن لاؤں گی کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی اور وہ صنم ہوں...... چاند گرہن ہے۔ چاند گرہن۔ بیٹا اپنے ذہن سے اس کا خیال نکال دو۔''

یہ سن کر صنم کے ہاتھ سے پلیٹ گرتے گرتے بچی۔ وہ روتی ہوئی پلٹی۔ سامنے دکھائی دینے والے منظر نے اُس کے چہرے کو بھگو ڈالا تھا۔ تبھی سے احساس کمتری کا احساس اس کے وجود میں کسی سائے کی طرح گھر کر گیا تھا۔ وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ادویات کے پیکٹ کھولنے لگی۔ پھر اُس نے گلاس میں پانی لیا اور پہلی خوراک پھانک لی۔

باب 8

عدنان بشیر کے گھر سے نکل کر راستے میں زوار کو اُس کے گھر اُتارنے کے بعد اب وہ اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ صالحہ بیگم اور سفیان غوری بار بار مشعل کی ہی تعریفیں کیے جا رہے تھے لیکن شہر یار جانتا تھا کہ یہ صرف ہمدردی تھی۔ کیونکہ وہ شہر یار کے لیے انعم کو پسند کر چکے تھے۔

''بیٹا شہر یار! کسی دن مشعل بیٹی کی فاؤنڈیشن میں بھی ہو آنا۔ چلو اسی بہانے تم کچھ فنڈ ضرورت مند لوگوں کے لیے دے دینا اور وہ خوش بھی ہو جائے گی۔'' سفیان غوری نے کہا۔

''جی پپا'' شہر یار نے مختصر جواب دیا۔

اس وقت جیسے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ پپا یہ مشورہ آپ نہ بھی دیتے تو میں ضرور جاتا۔ گھر پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ بستر پر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ وہ اتنی جلدی سونے کا عادی نہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ اسے اتنی جلدی نیند بھی آنے والی نہ تھی۔ پھر اس کے ذہن میں آج مشعل کے گھر اُس سے ہونے والی ملاقات کے منظر کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔ جب وہ گھورتے

ہوئے غصے سے زوار کو دیکھ رہی تھی تو وہ کتنی معصوم لگ رہی تھی۔ کسی اور نے اُس کی اِس ادا کو محسوس کیا ہو یا نہ لیکن اُسے یہ شوخ انداز جیسے بھا گیا تھا۔ پھر وہ کتنی جلدی کمرے سے چلی گئی تھی کہ وہ اُسے جی بھر کے دیکھ بھی نہ پایا تھا۔ اب وہ یہی سوچ سوچ کر خوشی محسوس کر رہا تھا کہ صبح دفتر سے جلد ہی فارغ ہو کر وہ مشعل کی فاؤنڈیشن اُسے ملنے جائے گا۔ یہی سوچتے سوچتے رات کے کسی پہر اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اگلے روز صبح وہ دفتر پہنچ کر بے تاب سا رہا۔ بار بار کلائی پر بندھی گھڑی تو کبھی وال کلاک کی جانب دیکھنے لگتا۔ پھر وہ دوپہر میں کھانے کے لیے آئے وقفے کے دوران ہی گاڑی لے کر نکلا تو راستے میں اُسے احساس ہوا کہ وہ مشعل کی فاؤنڈیشن کا پتہ ہی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اُس کے پاس مشعل کا کوئی موبائل نمبر تھا۔ ایسا اُس کے ساتھ کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کہیں جانے کے لیے نکلتا اور اسے یہ ہی علم نہ ہوتا کہ اُسے جانا کہاں ہے۔

''مسٹر شہر یار تمہیں واقعی محبت ہوگئی ہے۔'' وہ اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

اُس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنے دوست زوار کا نمبر ڈائل کیا۔ نمبر بند ملا۔ اب وہ واپس اپنے دفتر بھی جانا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ سوچ کر اُس نے گاڑی ہسپتال کی جانب بڑھا دی۔ وہ جانتا تھا کہ زوار اس وقت ہسپتال میں ہی ہوگا۔ جب کوئی آپریشن یا ایمرجنسی ہو جاتی تھی وہ اپنا نمبر بند کر دیا کرتا تھا۔ شہر یار نے ہسپتال پہنچ کر پارکنگ اسٹینڈ میں گاڑی کھڑی کی اور پھر اندر جا کر ڈاکٹر زوار کے بارے میں معلومات لیں۔ وہ واقعی کسی آپریشن میں مصروف تھا۔ زوار کے لیے پیغام چھوڑ کر وہ ویٹنگ روم میں اُس کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے انتظار کرتے ابھی آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا جب زوار کمرے میں داخل ہوا۔

''آج ہماری قسمت کیسے جاگ اُٹھی؟'' وہ مسکراتا ہوا شہر یار کی جانب بڑھا۔

شہر یار کو اُس کے چہرے پر تھکن کے آثار ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے تھے اور وہ اس بات کو ہمیشہ محسوس کرتا تھا آج اس نے دریافت کر ہی لیا۔

''زوار! ایک بات سمجھ نہیں آتی۔ تم ڈاکٹر کس مٹی کے بنے ہوتے ہو۔ خون میں لت پت کٹے پھٹے اعضاء لیے لوگ آتے ہیں۔ پھر طویل قسم کے آپریشن۔ اس سب کے باوجود میں جب کبھی تم سے ملا ہوں

تم مجھے یونہی مسکراتے ''چل'' (Chill) دکھائی دیتے ہو۔''

شہر یار کا سوال سن کر زوار نے مسکاتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

''شہر یار بے شک ہمارے پاس آنے والے لوگ بعض اوقات انتہائی نازک حالت میں لائے جاتے ہیں جنھیں دیکھ کر کوئی بھی خوف زدہ ہو جائے لیکن تب ہم ہی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنی حاصل کردہ مہارت سے اُس تکلیف سے انھیں نجات دلا سکتے ہیں۔ اور تم جانتے ہو؟ اُن کے اچھے ہونے کی خوشی ہی ہمیں نہال کیے رکھتی ہے اِسی لیے تو اس پیشے کو مسیحانا پیشہ کہتے ہیں۔''

''مسیحانا......!! تم تو میرے لیے بھی کسی مسیحا سے کم درجہ نہیں رکھتے زوار'' شہر یار نے دل میں سوچا۔

شہر یار کو یوں سوچوں میں گم پا کر کر زوار بولا:

''اچھا بھئی! مجھے تو بھوک نڈھال کر رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ میرا کیس تمہارے گلے پڑ جائے جلدی سے باجی کے ڈھابے کا رُخ کر لو''

شہر یار کے ساتھ ہوتے ہوئے زوار پانچ ستارہ ہوٹل کو باجی کا ڈھابہ ہی کہا کرتا تھا۔

پھر دونوں ہسپتال سے نکلے تو ہوٹل میں پہنچ کر زوار نے جو بات شہر یار کو بتائی وہ واقعی اُسے چونکا دینے والی تھی۔ زوار نے اسے بتایا کہ جس روز ہسپتال سے نکلتے ہوئے انعم نے اُس سے لفٹ مانگی تھی راستے میں ہمت کر کے اُس نے انعم کو پرپوز کر دیا تھا۔ انعم جو پہلے ہی اُسے دل ہی دل میں چاہتی تھی اب اُس کے پرپوز کرنے پر خوش تو ہوئی لیکن وہ زوار کو کسی قسم کا کوئی جواب نہ دے پائی تھی۔ فقط یہی کہا کہ وہ اپنے مما، پپا سے پہلے اس موضوع پر بات کرے گی۔ شاید اس لیے کہ اُسے اندازہ تھا کہ وہ اتنی آسانی سے نہیں مانیں گے اور وجہ شہر یار تھا۔

شہر یار کو زوار کی بات سن کر خوشی ہوئی کہ اُس نے انعم کو پروپوز کر دیا ہے۔

''زوار! میں سمجھتا ہوں کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ انعم تمہیں چاہتی ہے۔ اب جبکہ تم نے اسے پرپوز کر دیا ہے تو اب آگے کیا ہو گا وہ وقت پر چھوڑ دو۔''

شہر یار نے گرم گرم سوپ کا گہرا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''میری اپنی یہی خواہش ہے شہر یار کہ جو بھی ہو سبھی کی رضا مندی سے ہو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انعم کے گھر والے اُس کے لیے تمہارا انتخاب کر چکے ہیں۔ یوں مشکلات تو آئیں گی۔ اس طرح میں یہ سوچ سوچ کر بھی پریشان ہو جاتا ہوں کہ وہ سب مشکلات انعم کو خود اکیلے ہی برداشت کرنی پڑیں گی۔''

زوار یہ کہتے ہوئے پریشانی سے سوپ میں فقط چمچ گھما رہا تھا۔

''زوار ہمارے معاشرے میں یہی کچھ تو ہوتا ہے۔ دوستیاں نبھانے، سٹیٹس یا رُتبہ بڑھانے کی غرض میں نہ جانے کتنے معصوم ارمان کچل دیے جاتے ہیں اور جب یہ بڑے بڑے لوگ اپنی جھوٹی شان وشوکت کا ڈھول پیٹ رہے ہوتے ہیں تو وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خود اُن کی اولاد کی خوشیاں راکھ کا ڈھیر بن چکی ہوتی ہیں۔''

شہر یار نے ان الفاظ سے جیسے اپنے اردگرد بستے لوگوں کے ذہنوں کی عکاسی کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جس دنیا کا باسی تھا وہاں وہ اپنے اردگرد یہی کچھ ہوتا دیکھتا آیا تھا اور اب خود اُس کی زندگی میں بھی اُس کی قریبی دوست انعم پر ایسا ہی وقت آ پہنچا تھا۔ اُسے یہ سوچ کر بھی افسوس ہو رہا تھا کہ انعم کی زندگی میں آنے والی مشکلات کی وجہ وہ تھا۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی یہ بات اُس کے لبوں تک آ ہی گئی۔''

''زوار مجھے اس بات کا بھی افسوس ہو رہا ہے کہ میں تم دونوں کے بیچ دیوار بن گیا ہوں۔''

''نہیں شہر یار اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ جو بھی فیصلہ ہوا تھا وہ بڑوں نے ہی طے کیا تھا۔''

پھر جیسے زوار نے موضوع بدلنے کے لیے کہا ''چلو چھوڑو۔ مجھے بتاؤ کہ تمہاری بات کہاں تک پہنچی؟''

یوں اچانک سے زوار نے بات کا رُخ بدلا تھا کہ شہر یار اُس کی بات سمجھ کر بھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا۔ شہر یار کو یوں خاموش پا کر زوار نے خود ہی بولنا شروع کیا۔

''بھئی! مشعل کے معاملے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اُس کا مقصد اُس کے خیال میں اتنا عظیم ہے کہ وہ یہ پیار، محبت اور عشق کے چکروں سے بہت دور کسی دوسری ہی کہکشاں کی باسی ہے۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں اگر تم اسی کے مقصد کو لے کر ساتھ آگے بڑھو گے تو ہو سکتا ہے اُس کے دل میں کوئی نرم گوشہ پاؤ۔''

''اچھا......تو اب یہ نرم گوشہ پانے کے لیے مجھے اُس کی فاؤنڈیشن میں فارم بھر کر بھرتی ہونا پڑے گا۔''

زوار کی بات سن کر شہر یار نے یہ بات کچھ اس انداز میں کہی تھی کہ جسے سن کر زوار پر اب ہنسی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ وہ یونہی ہنستے ہنستے بولا:

''ہاں تو بھئی! اس میں کیا حرج ہے۔ عشق میں تو لوگوں نے نہریں تک کھودی ہیں اور وہ تم نے سنا نہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجیے اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔''

''واہ......واہ'' زوار کی زبانی عشق کے موضوع پر اتنا سب سن کر شہر یار نے جیسے تالی بجا کر اُسے داد دی۔

''اچھا......اچھا ٹھیک ہے۔ اب کام کی بات سنو۔ تم مشعل کی فاؤنڈیشن اُسے جا کر ملو۔''

زوار کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شہر یار بولا'' جناب! آج میں انہی چکروں میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ آفس سے نکلا تو مجھے مشعل کی فاؤنڈیشن کا ایڈریس ہی معلوم نہ تھا۔ پھر تمھیں فون کیا تو تمہارا بھی نمبر بند ملا۔ وہ تو مجھے آئیڈیا تھا کہ تم اس وقت ہسپتال میں ہی ہو گے جو میں چلا آیا۔''

''تو جناب یوں کہیں کہ آپ کو مشعل کی فاؤنڈیشن کا ایڈریس چاہیے اور میں بھی کہوں کہ آج مسٹر شہر یار میری طرف کیسے۔ اب سمجھ میں آیا سب''

زوار نے مسکاتے ہوئے سر کو ہلایا۔ پھر اُس نے پرس نکال کر اُس میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکالا اور شہر یار کی جانب بڑھایا۔

''یہ لو بھئی! اس پر مشعل کا پرسنل نمبر بھی ہے اور اُس کی فاؤنڈیشن کا ایڈریس بھی۔ اب تم جب چاہو جا سکتے ہو۔'' شہر یار نے وزیٹنگ کارڈ زوار کے ہاتھ سے لے کر ایک مرتبہ پڑھا اور پھر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا تھا۔

باب 9

اگلے روز دفتر پہنچ کر وہ بار بار اس وزیٹنگ کارڈ کو دیکھتا رہا جس پر مشعل کا پتہ درج تھا۔ مشعل کا ذاتی نمبر اور پتہ اب اُسے اَزبر ہو چکے تھے۔ پھر بھی وہ کارڈ کو سامنے رکھے دیر تک نہارتا رہا۔ آج اُسے وقت گزارنا واقعی مشکل لگ رہا تھا۔ پھر دوپہر کے وقت آئے کھانے کے وقفے میں اُس نے گاڑی نکالی اور وہ مشعل کی فاؤنڈیشن کی جانب چل پڑا۔ آج وہ پراعتماد لگنے کے ساتھ ساتھ خوش بھی دکھائی دے رہا تھا اور اس خوشی کی وجہ آج مشعل سے ہونے والی یقینی ملاقات تھی۔ شہر سے نکل کر اب وہ ایک متوسط سے علاقے میں پہنچ گیا تھا۔ وزیٹنگ کارڈ پر درج پتے کے مطابق اُس نے ایک جگہ پہنچ کر گاڑی روکی اور پھر نظر دوڑانے پر اُسے قریب ہی فاؤنڈیشن کا بورڈ آویزاں دکھائی دیا لیکن پھر جو بات اُسے اندر جا کر معلوم ہوئی اُسے سن کر وہ بجھ سا گیا تھا۔ مشعل ایک ہفتہ کے لیے کسی دوسرے شہر دورے پر جا چکی تھی اور یہ دورہ فاؤنڈیشن کی جانب سے لوگوں میں شعوری آگاہی کے حوالے سے تھا۔ بجھے ہوئے دل کے ساتھ وہ گاڑی میں آ کر بیٹھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے مشعل کا نمبر ڈائل کیا۔ تین، چار بیل جانے کے بعد مشعل نے کال ریسیو کرتے ہوئے ہیلو کہا تو شہریار کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا:

''مس مشعل! میں شہریار غوری بات کر رہا ہوں۔ دراصل میں آپ کی فاؤنڈیشن کا وزٹ کرنا چاہتا

ہوں۔شہر یار نے یوں بات کی جیسے وہ یہ ظاہر کر رہا ہو کہ وہ مشعل کے دوسرے شہر دورے والی بات سے بے خبر ہے۔''

''ویلکم مسٹر شہر یار! لیکن میں اس وقت ایک دوسرے شہر وزٹ پر ہوں۔''

شہر یار اتنا تو جانتا ہی تھا۔ پھر وہ بولا:

''آپ اس وقت کون سے شہر کے وزٹ پر ہیں؟''

دوسری جانب سے مشعل نے اُسے شہر کا نام بتایا اور پھر معذرت کرتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ مشعل سے فون پر بات ہونے کے بعد وہ لانگ ڈرائیو پر نکل گیا تھا۔ ایسا وہ تب کیا کرتا تھا جب وہ بہت پریشان ہوتا تھا۔ یوں پریشانی میں وہ رات کو بھی دیر سے گھر پہنچا تھا۔ پھر اپنے کمرے میں آ کر وہ یہی سوچ رہا تھا کہ جہاں ایک رات اُس کے لیے گزارنا مشکل ہو رہی تھی وہاں وہ ایک ہفتہ کیسے گزارے گا۔ وہ کیسے اُس تک اپنے اُن جذبوں کی حدت کو پہنچائے جو اُس کے وجود میں ہر وقت ایک طوفان سا برپا کیے رکھتے تھے۔ وہ جس شہر کے دورے پر تھی اُس شہر کا نام تو وہ دریافت کر ہی چکا تھا۔ اب وہ وہاں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا لیکن ابھی تو پہلے حادثے کے اثرات سے باہر آئے اُسے بامشکل ایک ہفتہ ہوا تھا۔ یوں اس کے مما، پپا اسے ایک طویل سفر پر وہ بھی اکیلے جانے کی قطعاً اجازت نہیں دیں گے۔ اس بات کا بھی اُسے اندازہ تھا۔ پھر سوچتے سوچتے اُس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اُس نے زوار کا نمبر ڈائل کیا۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ جب زوار کے موبائل پر کال جا رہی تھی۔ دوسری جانب زوار نے ادھ کھلی بند آنکھوں سے فون کی سکرین پر شہر یار کا نام دیکھ کر فوراً کال ریسیو کر لی۔

''کیا مسئلہ ہے تجھے شہری؟ اتنی رات کو بھی تجھے چین نہیں۔'' وہ جیسے نیند میں ہی بول رہا تھا۔

''زوار......میرے دوست! تجھ سے ایک کام آن پڑا ہے۔'' شہر یار نے کہا تو زوار جیسے جھنجھلاتے ہوئے بولا:

''اب کیا ہو گیا؟''

''یار! مشعل ایک ہفتہ کے لیے اسلام آباد وزٹ پر چلی گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی اُس کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ مما اور پپا مجھے جانے نہیں دیں گے اور وجہ تم جانتے ہو۔ یوں

صرف تم میری مدد کر سکتے ہو۔''

''بول...... میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' شہریار کی بات سن کر زوار نے کہا۔

''زوار! تم صبح پپا کو کال کرو اور انہیں کہو کہ تمہیں ایک دوسرے شہر کام آنا پڑا ہے اور تم مجھے اپنے ساتھ ایک ہفتہ کے لیے لے جانا چاہتے ہو۔ یوں وہ مجھے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔''

شہریار کی بات ختم ہوتے ہی زوار بولا ''میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا۔ یہ پورا ہفتہ میں بہت مصروف ہوں۔ ایک دن کے لیے بھی فارغ نہیں اور تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں دو دو ہوسپٹلز میں ڈیوٹی دے رہا ہوں۔ یوں اچانک سے میں کیسے جا سکتا ہوں۔''

زوار کی بات سن کر شہریار فوراً بولا ''تمہیں ساتھ چلنے کو کون کہہ رہا ہے۔ تم نے صرف اجازت لینی ہے اور میرے گھر تک آنا ہے۔ یہاں سے نکل کر میں تمہیں تمہارے ہسپتال اُتار دوں گا اور پھر خود اکیلا اُس شہر کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔''

شہریار کی بات سن کر زوار نے جیسے تشویش ظاہر کی۔

''اور اگر اس ایک ہفتہ میں کہیں انکل یا کسی اور نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو پھر......؟'' زوار کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شہریار بولا:

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ یوں فٹافٹ ایک ہفتہ گزر جائے گا اور کیا میری خاطر تم اتنا بھی نہیں کر سکتے۔'' شہریار نے جیسے اُسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''شہریار تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم میرے لیے کیا ہو'' زوار جذباتی ہو رہا تھا۔

''یہ تو کوئی کام ہی نہیں میرے دوست، کبھی بھائی کو کوئی کام بول کر دیکھنا۔'' شہریار کا آخری حربہ کارگر ثابت ہوا تھا۔ زوار نے بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا:

''میں صبح انکل سے بات کرتا ہوں۔ تم بے فکر ہو جاؤ شہریار''

''اور میں جانتا ہوں زوار کہ پپا تمہاری بات ہرگز نہیں ٹالیں گے۔ آخر تم اُن کے گود لیے ہوئے بچے ہو۔'' شہریار کی آخری بات سن کر زوار نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر یونہی ہنستے ہنستے شہریار نے فون بند

کر دیا تھا۔

فون بند کرنے کے بعد اُس نے رات کو ہی اپنی تیاری مکمل کر لی تھی۔ کچھ ضروری سامان جو اُسے ایک ہفتہ کے دوران استعمال کرنا تھا وہ اُس نے بیگ میں رکھا اور پھر اطمینان سے سو گیا تھا۔ صبح جب اُس کے پپا کمرے میں آئے تو وہ جاگ رہا تھا لیکن سونے کا بہانہ کر رہا تھا۔

''شہریار بیٹا! اُٹھو......'' اُس کے پپا نے آواز دی۔

شہریار نے پپا کی آواز سنی تو فوراً اُٹھ بیٹھا ''جی پپا''

''بیٹا تھوڑی دیر پہلے مجھے زوار بیٹے کی کال آئی تھی۔ وہ ایک ہفتہ کے لیے ایک کام کے سلسلے میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ دونوں جا سکتے ہو لیکن بیٹا مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ آپ گاڑی مت ڈرائیو کرنا۔''

''اوکے پاپا یو ڈونٹ وری۔ میں ضرور احتیاط کروں گا۔''

شہریار کا جواب سن کر سفیان غوری کمرے سے نکلے تو وہ اُٹھ کر فوراً واش روم میں گھس گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ اپنی تیاری مکمل کرنے کے بعد نیچے آیا تو زوار پہلے سے ہی ناشتہ کے لیے ٹیبل پر موجود تھا اور جیسی نظروں سے وہ شہریار کی جانب دیکھ رہا تھا اُن کی تاب نہ لاتے ہوئے شہریار چپ چاپ بیٹھا ناشتہ کرنے لگا۔ پھر شہریار کی مما دونوں کو نصیحتیں کرتی رہیں۔ خصوصاً اُنھوں نے زوار سے کہا کہ وہ شہریار کو گاڑی بالکل ڈرائیو نہ کرنے دے۔ جس پر زوار کا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ بالکل سچ بتا دے لیکن پھر شہریار کو ہاتھ جوڑتے دیکھ کر وہ خاموش ہی رہا۔ دونوں نے ناشتہ کیا تو شہریار نے اپنا سامان گاڑی میں رکھا اور پھر دونوں گھر سے چل پڑے تھے۔ راستے میں شہریار نے زوار کو اُس کے ہسپتال سے باہر اُتارا اور پھر وہ فراٹے بھرتا اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گیا تھا۔

سورج کا پیچھا کرتے کرتے وہ دن ڈھلنے کے قریب اسلام آباد پہنچا تو اُسے دُور اُفق پر سورج اپنی آخری جھلک دکھاتا، مسکراتا دکھائی دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو دوست تمھیں تمھاری منزل مبارک ہو۔ میرا اور تمھارا ساتھ فقط یہیں تک کا تھا۔ میں تو چلا۔ الوداع دوست اور پھر وہ اپنی آخری جھلک دکھاتا نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ شہریار اس وقت جس شاہراہ پر جا رہا تھا اب وہاں کہیں کہیں ریستوران دکھائی دے

رہے تھے۔آ گے بڑھتے ہوئے اُس نے گاڑی ایک ریستوران کے قریب روک دی تھی۔ یہاں اس کے اپنے شہر کے مقابلے میں زیادہ سردی تھی۔جس کا اندازہ اُسے گاڑی سے اُترے ہی ہو چکا تھا۔پھر وہ اوورکوٹ کا کالر اُوپر کانوں تک چڑھاتے ہوئے ریستوران کی جانب بڑھا۔

اندر داخل ہو کر اُس نے کافی کا آرڈر دیا اور اب وہ بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ وہ مشعل کو اپنی اس شہر میں موجودگی کے بارے میں کیسے آگاہ کرے۔

اُس نے سوچا کیوں ناں وہ ایسا کرے کہ مشعل اور اُس کی ٹیم کا پتہ چلائے وہ اس وقت کون سی جگہ پر ہیں۔پھر وہ اچانک حادثاتی طور پر مشعل کے سامنے آجائے لیکن اس منصوبے میں ناکامی کی بڑی وجہ اُسے یہ لگ رہی تھی کہ کہیں سات دنوں میں اتنے بڑے شہر میں وہ فقط اُسے ڈھونڈتا ہی نہ رہ جائے۔پھر جیسے کسی کا خیال آنے پر اُس نے اپنے موبائل سے ایک نمبر ڈائل کیا۔

''ہاں زبیر! شہریار بات کر رہا ہوں'' دوسری جانب کال ریسیو ہوتے ہی شہریار بولا۔

''Oh! Dude کیسا ہے؟'' زبیر نے کہا۔

''آئی ایم فائن......اور تو کیسا ہے؟'' شہریار نے زبیر کا حال پوچھا۔

''ارے یار! ہماری چھوڑو وہ غالب کا شعر نہیں سنا۔فکروں نے غالب نکما کر دیا ورنہ آدمی تھے ہم بھی بڑے کام کے۔''

''تم نہیں بدلے غالب زبیر'' شہریار نے شعر سن کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

وہ یونیورسٹی کے دنوں میں بھی اُسے اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔

''اچھا اب یہ قہقہے لگانا چھوڑو۔یہ بتاؤ ان دنوں کہاں غائب ہو؟'' زبیر نے پوچھا۔

''ہاں......یہی تو بتانے کے لیے میں نے کال کی ہے۔میں تیرے اتنا پاس ہوں کہ بس ایک سے دس تک کاؤنٹ ڈاؤن شروع کرو تو میں تمہارے پاس ہوں گا۔''

''او رئیلی......مزاح تو نہیں؟'' زبیر نے خوشی سے تصدیق چاہی۔

''اپریل فول آنے میں ابھی چند مہینے پڑے ہیں۔تم بس کاؤنٹ ڈاؤن شروع کر دو اور ہاں کھانا میں تمہاری طرف ہی آ کر کھاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے شہریار نے فون بند کر دیا تھا۔

ویٹر جو کافی رکھ کر گیا تھا اب وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔شہر یار نے ایک دو سپ لیے پھر مزہ نہ آنے پر وہ بل ادا کر کے ہوٹل سے باہر آیا اور گاڑی لے کر زبیر کے گھر کی جانب بڑھ گیا۔تھوڑی ہی دیر بعد وہ زبیر کے گھر پہنچ گیا تھا۔

زبیر جیسے پہلے سے ہی شہر یار کا منتظر کھڑا تھا۔اُس نے گھر کا خاص دروازہ کھولا تو شہر یار گاڑی سیدھی پورچ میں ہی لے گیا تھا۔پھر دونوں گرم جوشی سے ملے۔زبیر کے پپا چند سال ہوئے وفات پا گئے تھے۔یوں اب وہ اپنی مما کا واحد سہارا تھا۔کیونکہ وہ بھی شہر یار کی طرح اکلوتا ہی تھا۔زبیر پہلے سے ہی اپنی مما کو شہر یار کے آنے کی خبر کر چکا تھا۔شہر یار کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ بھی اُس سے ملیں اور پھر رسوئی میں جا کر مصروف ہوگئیں۔زبیر نے باتوں ہی باتوں میں شہر یار کو بتایا کہ آج کل اُن کا گھر مہمان خانہ بنا ہوا ہے۔کیونکہ اُس کی ایک کزن بھی ان دنوں اُن کے گھر آ کر ٹھہری ہوئی ہے۔پھر دونوں یونیورسٹی کے دنوں کی یادیں تازہ کرنے لگے۔زبیر اور شہر یار کی دوستی یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔جب زبیر کو اپنے تعلیمی سلسلے کے لیے لاہور آنا پڑا تھا۔سب دوستوں کے لیے شہر یار کا گھر ہی وہ واحد ٹھکانہ ہوتا تھا جہاں وہ مل بیٹھتے تھے اور امتحانات کے دنوں میں تو سبھی دوست اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اُسی کی جانب آ ڈیرہ لگا لیا کرتے۔زبیر اور شہر یار کو باتیں کرتے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب زبیر کی مما نے اُنھیں کھانے کے لیے آواز دی۔

زبیر،شہر یار کو لے کر کھانے کی میز پر آیا تو زبیر کی مما کھانا لگا چکی تھی۔پھر وہ خود بھی بیٹھتے ہوئے بولی''زبیر بیٹا! جاؤ مشعل کو تو بلا لاؤ۔''

''جی مما'' یہ کہتے ہوئے زبیر اُٹھ کر مشعل کو بلانے چلا گیا۔

اُسی وقت شہر یار کے دماغ میں جیسے ایک جھماکہ سا ہوا''مشعل'' نہیں،نہیں ایک نام کی اور بھی تو کئی لڑکیاں ہوسکتی ہیں۔وہ اسی تذبذب کا شکار تھا جب اُسے مزید حیرانگی کا جھٹکا لگا۔سامنے زبیر کے ساتھ کوئی اور نہیں بلکہ واقعی مشعل چلی آ رہی تھی۔

''شہر یار آپ......!!'' قریب پہنچ کر مشعل نے بھی یوں سراسیمہ ہو کر کہا۔

زبیر اور اُس کی مما کے لیے بھی یہ اچنبھے کی بات تھی کہ مشعل اور شہر یار ایک دوسرے کو پہلے سے

جانتے تھے۔ مشعل کے قریب پہنچنے پر اب شہر یار بھی کھڑا ہو چکا تھا۔

''اب آپ لوگ یونہی کھڑے رہیں گے یا بیٹھیں گے بھی'' زبیر نے خود بھی بیٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں اس بات کو محسوس کرتے ہوئے بیٹھ گئے لیکن یہ ایک ایسا اتفاق تھا کہ ابھی تک دونوں ایک دوسرے کو حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔

''مشعل ! آپ شہر یار کو کیسے جانتی ہو؟'' آنٹی کا سوال سن کر شہر یار کو لگا اب مشعل حادثے والی رات سے لے کر اب تک کی سب کہانی بیان کرنی شروع کر دے گی لیکن شہر یار کی سوچ کے برعکس مشعل نے نہایت خوبصورتی سے بات ختم کر دی تھی۔

''آنٹی ! یہ ہمارے فیملی ڈاکٹر، ڈاکٹر زوار کے بہت اچھے دوست ہیں''

وہ شاید اس لیے بھی باقی سب چھپا گئی تھی کہ پھر سب اُس کی تعریفیں کرنے لگتے۔

''شہر یار! مشعل میرے ماموں کی بیٹی ہے اور تمھیں یاد ہوگا کہ لاہور پڑھتے ہوئے میں اپنے ایک انکل کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ انکل میرے ماموں عدنان بشیر ہیں۔ زبیر نے شہر یار کو مشعل سے اپنے رشتے کا تعارف کروایا۔

''اور یہ ہماری پیاری پھوپھو جان ہیں''، مشعل نے اپنی آنٹی کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

شہر یار اس سب کے جواب میں فقط اپنی مسکراہٹ سے ہی کام چلا رہا تھا۔

''شہر یار! ایک دن پہلے ہماری آپ سے بات ہوئی تھی۔ اب یوں اچانک اس شہر کیسے آنا ہوا؟''

مشعل کا سوال سن کر وہ مناسب جواب ڈھونڈ رہا تھا جب زبیر نے اُس کی مشکل آسان کر دی۔

''مشعل ! شہر یار کو تو آئے دن کام کے سلسلے میں اسلام آباد آنا پڑتا ہے۔ یوں مجھے بھی ان کی مہمان نوازی کا موقع مل جاتا ہے۔''

''پھر تو آپ بہت مصروف ہوں گے۔ ہم سوچ رہے تھے کہ آپ ہمارے ساتھ سیمینار اٹینڈ کر لیتے۔ یوں آپ کو ہماری فاؤنڈیشن سے متعلقہ معلومات مل جاتیں۔''

مشعل کی اس بات پر وہ سوچ رہا تھا کہ وہ تو آیا ہی اِسی مقصد کے تحت ہے۔ اب بھلا وہ اس موقعے کو کیسے ہاتھ سے جانے دے گا۔

''آپ کے سیمینار کی ٹائمنگ کیا ہوں گی؟'' شہریار نے سوال کیا۔

''یہی صبح دس بجے سے دوپہر ایک دو بجے تک لیکن آپ ان اوقات میں کسی وقت بھی شامل ہو سکتے ہیں۔''

مشعل نے جیسے شہریار کی آسانی کے لیے کہا ''کسی بھی وقت کیوں؟ آپ لوگ مجھے اپنے ساتھ ہی سمجھیں۔ کیونکہ میری میٹنگز شام پانچ بجے کے بعد کی ہی ہیں۔''

شہریار جھوٹ بول رہا تھا لیکن پورے اعتماد کے ساتھ۔ شہریار کی بات سن کر زبیر جھٹ سے بولا:

''چلو اچھا ہے۔ میری تو جان چھٹے گی۔ اس روز روز کی ڈیوٹی سے۔ کل سے آپ دونوں ایک ہی گاڑی پر چلے جانا اور میں تو لمبی تان کر سونے کا عادی ہوں۔''

زبیر کی بات ختم ہوتے ہی مشعل نے کہا ''تم ہمارے ساتھ ہی چلنے والے ہو۔ ہمارے پاس سٹاف ویسے بھی کم ہے۔ پھر جتنی محنت سے تمہیں سرنج لگانی سکھائی ہے اب تمہیں یوں چھٹی نہیں مل سکتی۔''

زبیر نے مشعل کی یہ بات سنی تو اُس سے جھگڑنے لگا۔ بدلے میں مشعل بھی اُسے خوب سنانے لگی۔ وہ دونوں یوں جھگڑا کر رہے تھے کہ دونوں کی باتوں سے صاف واضح ہوتا تھا کہ دونوں میں کتنے گہرے مراسم تھے۔ شہریار مسکاتے ہوئے دونوں کے درمیان ہونے والی نوک جھونک سن رہا تھا لیکن درحقیقت آج پہلی بار اُسے زبیر سے جلن محسوس ہوئی تھی۔ پھر وہ سوچنے لگا اگر مشعل اور زبیر کے بیچ کوئی............ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔

اُس رات یہی سوچ سوچ کر اُس کی نیند اُڑ چکی تھی۔ اگر زبیر اور مشعل کی منگنی ہوچکی ہوئی......لیکن اگر ایسا کچھ ہوا ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتاتا لیکن میں نے کبھی اس موضوع پر زبیر سے بات بھی تو نہیں کی۔ اگر زبیر اور مشعل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوئے تو............ یہ سوچ کر جیسے وہ کانپ اُٹھا۔

اُس نے خدا سے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا۔ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والے شہریار غوری کو دنیا کی ہر آسائش اور آرام میسر تھا۔ پھر آج نہ جانے کیوں اس کا دل خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ رات دیر تک گڑگڑا کر دُعائیں مانگتا رہا کہ اُس کے سوچے وہموں میں سے کوئی بھی بات سچ ثابت نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو پھر وہ کل سے نماز شروع کر دے گا۔

مادہ پرست دنیا میں بستے بستے انسان اس قدر مادہ پرست ہو چکا ہے کہ وہ ہر شے میں سودا بازی سے کام لینے لگا ہے۔ایسی ہی سودا بازی شہر یار بھی خدا سے کر رہا تھا۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح وہ دیر تک سوتا رہا تھا۔ پھر اُسے زبیر نے آ کر جگایا اور اُسے بولا کہ جلدی سے تیار ہو کر نیچے ناشتہ کے لیے آ جائے۔ جاتے جاتے اُس نے مڑ کر پھر جیسے نصیحت کی۔

''وہ سوشل ورکر وقت کی بڑی پابند ہے۔ دیر ہوئی تو مجھے کچھ نہ کہنا''

زبیر کی کہی آخری بات سن کر شہر یار نے وقت دیکھا۔ پونے دس ہو رہے تھے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر واش روم میں چلا گیا اور پھر جتنی جلدی ہو سکتا تھا اُس نے اپنی تیاری مکمل کر لی لیکن جب وہ ناشتے کے لیے پہنچا تو اُسے یہ سن کر شدید غصہ آیا کہ چند منٹ ہوئے مشعل اور زبیر سیمینار کے لیے جا چکے تھے اور یہ مشعل کا پیغام تھا کہ شہر یار کے پاس جب وقت ہو آ جائے۔ پھر وہ ناشتہ کیے بغیر ہی واپس کمرے میں چلا گیا تھا اور شام کو بھی وہ زبیر اور مشعل کے آنے سے پہلے ہی گھر سے نکل چکا تھا۔ اپنے جھوٹ کا بھرم بھی تو رکھنا تھا اُسے۔ رات کو وہ باہر ہی تھا جب اُسے زبیر کی کال آئی۔ کال ریسیو کرتے ہی اُس نے زبیر کو خوب سنائیں اور زبیر بدلے میں صرف قہقہے ہی لگاتا رہا۔ اُس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ پوچھے کہ خود کو کیا سمجھتی ہے تمہاری سوشل ورکر لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ زبیر نے اس سے پوچھا کہ وہ رات کا کھانا گھر پر ہی کھائے گا۔ شہر یار نے اُسے منع کر دیا تھا۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ میٹنگ میں بہت مصروفیت کے بعد کھانا باہر سے ہی کھا کر آئے گا۔ اگلے روز وہ ناشتہ کے لیے پورے وقت پر سب کے ساتھ موجود تھا اور مشعل کی خوبصورت آواز میں کسی شاعر کی وقت کے موضوع پر لکھی نظم سن رہا تھا۔

وقت کا پہیہ ایسے چلتا
جگنو جیسے جلتا بجھتا
اس جگنو کو پکڑ جو پائے
وقت اُسی کے سنگ ہو جائے

بنتے پر جو یہ پت جلتا

بڑا کٹھن ہے رستہ اِس کا

اس رستے پر چل جو پائے

وقت اُسی کے سنگ ہو جائے

مشعل کی پڑھی یہ نظم اُسے کل والے واقعے پر مزید اشتعال دلاتی لیکن نہ جانے کیوں وہ مشعل کو سامنے پا کر ہر بار سب بھول کر بس کسی سحر میں گم ہو جایا کرتا۔ پھر اس نے سوچا اگر ایسے حسن کے ساتھ یہ دلربا ادائیں نہ ہوں تو پھر ایک عام انسان اور حسین انسان میں فرق ہی کیا رہ جائے۔ اب وہ اپنا غصہ اُس نازنین کی اِک ادا سمجھ کر بھول چکا تھا۔

''چلیے مسٹر شہریار! کن سوچوں میں گم ہیں۔ کہیں آج بھی یہیں رہنے کا ارادہ تو نہیں؟''

زبیر نے کہا تو مشعل اتنے میں اُٹھ کر جا چکی تھی۔ زبیر کی بات سن کر شہریار نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مشعل کی شان میں کچھ ایسا کہا کہ جسے سن کر زبیر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر دونوں باہر کی جانب بڑھے۔ گاڑی تک پہنچنے سے پہلے شہریار کو زوار کی کہی اک بات یاد آئی۔ اُس نے کہا تھا مشعل کی زندگی میں اُس کا کام ہی اس کے لیے سب کچھ ہے اور اب یہ بات مشعل سے ملنے کے بعد سچ ثابت ہو گئی تھی۔ گاڑی کے پاس پہنچ کر زبیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو شہریار اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا جبکہ مشعل پہلے سے ہی پچھلی سیٹ پر موجود تھی۔ جیسے ہی زبیر نے گاڑی اسٹارٹ کی مشعل نے اُسے ایک یونیورسٹی کا نام بتایا اور کہا کہ آج اُن کا سیمینار وہیں ہوگا۔ زبیر نے یہ سنا تو گاڑی یونیورسٹی کی جانب بڑھا دی۔ شہریار کی نظر دائیں جانب لگے سائیڈ مرر پر پڑی جو کہ اتفاق سے اُسی زاویے پر تھا جہاں پچھلی نشست پر مشعل بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بڑی سی کالی شال اوڑھے ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر کوئی ورد کر رہی تھی۔ کتنا نور تھا اُس کے چہرے پر۔ وہ جیسے مبہوت ہو کر اُس سراپائے نور کو دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اس نے سوچا ایسا نور کیوں نہ ہو اُس کے چہرے پر۔ وہ خلقِ خدا کی بھلائی کے لیے ہی تو کام کر رہی ہے جس میں اُس کا اپنا تو کوئی مفاد شامل نہیں اور اگر کچھ ہے تو فقط راحت، اطمینان جو نور بن کر اُس کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔ مشعل کی پچھلی نشست پر موجودگی وجہ تھی شاید کہ سبھی راستہ بھر خاموش ہی رہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ یونیورسٹی پہنچ گئے۔ یونیورسٹی شہر سے باہر پر فضا مقام پر واقع تھی۔ زبیر نے

گاڑی پارکنگ اسٹینڈ پر کھڑی کی۔ پھر تینوں یونیورسٹی کی جانب بڑھے۔ وسیع و عریض رقبے کے بالکل بیچ و بیچ ایستادہ پرانی طرز کی عمارت کے کمروں کے سامنے بنے برآمدے میں چار پانچ لڑکیاں اور اتنی ہی تعداد میں لڑکے تھے جو سفید ڈاکٹری کوٹ پہنے کھڑے اُنہی کے منتظر تھے۔ قریب پہنچنے پر سبھی ادب سے ملے۔ پھر مشعل نے سب سے شہریار کا تعارف کروایا۔ زیادہ تر لڑکیاں اور لڑکے ابھی طالبعلم ہی تھے جن کا تعلق میڈیکل کے شعبے سے تھا۔

طالب علموں کو مطلع کرنے کے لیے نوٹس بورڈ پر ایک دن پہلے سے ہی نوٹس لگایا جا چکا تھا۔ خصوصاً آج بڑے بڑے بینرز اس مقصد کے لیے آویزاں کیے گئے تھے۔ اب گیارہ بج رہے تھے مشعل سبھی کو ساتھ لے کر یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں پہنچی تو ہال نصف سے زیادہ بھر چکا تھا۔ ابھی سیمینار شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ زبیر اور شہریار ایک طرف لگی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو فاؤنڈیشن کے ممبرز مشعل کے ہمراہ اسٹیج پر اپنے سیمینار کے حوالے سے تیاریاں مکمل کرنے لگے۔ دو بڑے بڑے بینرز اسٹیج کی پچھلی دیوار پر لگائے گئے تھے۔ ڈائس کے گرد بھی ایک بینر نظر آ رہا تھا جس پر کچھ اشکال خون عطیہ کرنے کے حوالے سے بنی ہوئی تھیں۔ اگلی چند مخصوص خالی پڑی نشستوں پر اب یونیورسٹی انتظامیہ اور پروفیسر آ کر بیٹھ رہے تھے۔ سیمینار شروع کرنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اسٹیج پر کھڑی مشعل اور دوسرے ممبرز اسٹیج سے اُتر کر زبیر اور شہریار کے پاس پڑی خالی کرسیوں پر آ کر بیٹھے تو اُن ممبرز میں سے ایک اب مائیک کے سامنے کھڑا تلاوت قرآنِ مجید کے لیے کسی طالب علم کا نام پکار رہا تھا جو کہ اُسی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ تلاوت قرآن مجید مکمل ہونے کے بعد ایک طالب علم نے نعتِ رسول مقبولؐ کا شرف حاصل کیا۔ اب پھر وہی نوجوان مائیک کے سامنے کھڑا سب سے مخاطب تھا۔ اُس نے فاؤنڈیشن کے مقاصد کے حوالے سے حاضرین کو مختصر تعارف کروایا۔ اب وہ مشعل کا نام لے کر اُسے اسٹیج پر آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ مشعل اپنی نشست سے اُٹھ کر اسٹیج کی جانب بڑھی، اسٹیج پر پہنچنے سے پہلے اُس نے اوڑھی ہوئی بڑی سی کالی شال کو سر پر درست کیا۔ اب وہ بھی اپنے باقی ساتھیوں جیسا ڈاکٹری کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اسٹیج پر پہنچنے کے بعد اُس نے ڈائس پر رکھی فائل کو کھول کر اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے یک بارگی سارے ہال کا جائزہ لیا۔ ہال طلب علموں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہہ کر اُس نے اپنا تعارف کروایا اور پھر اپنی بات کا آغاز کیا۔

''فاؤنڈیشن کے مقاصد کے حوالے سے تو آپ کو تعارف مل ہی چکا ہے۔ اب ہم اُن پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ جہاں ہم (Thalassemia Major) کے شکار لوگوں کے لیے بلڈ کولیکشن کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ وہاں ساتھ ہی ساتھ ہم اس ایشو کو لے کر بھی کام کر رہے ہیں کہ آج اگر ہم کوئی بھی چھوٹا بڑا اخبار اُٹھا کر دیکھیں تو اُس میں بے تحاشہ ایسے اشتہار ملیں گے جن میں کسی نہ کسی مسئلے کے حل کے لیے ادویات کا تعارف دیا گیا ہوتا ہے۔ ہم بتاتے چلیں کہ یہاں ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا ہرگز نہیں کہ یہ ادویات کتنی جعلی یا اصلی ہیں۔ بلکہ یہاں ہم اس موضوع پر بات کریں گے کہ ہمارے بہت سے نوجوان لڑکے لڑکیاں جو اپنی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو کو لے کر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے کسی کے پچکے گال، چھوٹا قد، موٹاپا، کمزور ناتواں جسم، جنسی مسائل یا جلد کے حوالے سے بے شمار مسائل جن میں خصوصاً لڑکیاں لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ (Conscious) دکھائی دیتی ہیں۔

کیا یہ واقعی مسائل ہیں یا صرف احساس کمتری؟ یہ بات یقیناً سوچنے سے تعلق رکھتی ہے اور یہی بات ہمارے آج کے سیمینار کا مین ایشو ہے یعنی (Treatment or Inferiority Complex) ہمارے ایک حالیہ سروے کے مطابق ایک بڑا افسوسناک پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ ہماری نوجوان نسل بنا کسی (Specialist) سے مشورہ کیے اشتہارات پر موجود ادویات کا استعمال شروع کر دیتی ہے۔ ایسی صورت میں دیکھا یہ گیا ہے کہ ایسے لوگوں میں صحت یابی کی (Ratio) نہ ہونے کے برابر ہے اور ان ادویات کے لمبے دورانیے تک استعمال کے نتیجے میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد سامنے آ رہی ہے۔ جو کہ ان ادویات کے (Side-effects) کا شکار ہو کر اپنی زندگی کو کوئی بڑا روگ لگا بیٹھتے ہیں۔ یہ (Side effects) بعض اوقات لمبے عرصے بعد یا بعض اوقات فوری ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کا جسم کمزور ہے یا آپ کے گال پچکے ہیں تو یہ اس بات سے بہتر نہیں کہ اگر خدانخواستہ آپ کو خود اپنی مرضی سے استعمال کردہ ادویات سے (Side Effect) ہو جائے اور آپ کا سارا جسم کسی ایسے Infection کا شکار ہو جائے جس سے آپ انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو جائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی اچھی بھلی زندگی صرف بیماریوں کا گڑھ بن جائے۔

خود سے بہتر لوگوں کو دیکھ کر متاثر ہونے کی بجائے ان لوگوں کو ضرور دیکھئے جن کے پاس آنکھیں تو ہیں بینائی نہیں، کان ہیں لیکن قوت سماعت سے محروم، اللہ نے زبان دی ہے قوت گویائی نہیں۔ آج ہماری جنریشن کو ایسے ہی غور وفکر کی ضرورت ہے۔''

مشعل کی بات ختم ہونے تک ہال تالیوں سے گونج اُٹھا تھا۔ شہریار جو ہال میں موجود سبھی لوگوں کی طرح پورا محو ہو کر اس تقریر کو سن رہا تھا اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کھڑا ہو جائے اور پھر اُس کی دیکھا دیکھی سارا ہال کھڑا مشعل کی اس خوبصورت تقریر پر اُسے داد دے۔ مشعل اب تالیوں کی تھمتی آواز میں پھر سے بول رہی تھی۔

''حاضرین! میری ایک درخواست ہے۔ کوئی ایسا شخص جس کو زندگی میں ایسی کسی تکلیف سے گزرنا پڑا ہو وہ یہاں اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار ضرور کرے۔ ہاں مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ یوں سب کے سامنے آ کر ایسا کرنا مشکل کام ہے لیکن مجھے یقین ہے اگر آپ ایسا کریں گے تو بہت سے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کو آپ [illegible]ط کر لیں گے اور اللہ آپ پر بھی رحم کرے گا۔''

مشعل کی بات ختم ہونے تک سارے ہال پہ جیسے گہرا سکوت طاری ہو چکا تھا۔ اتنا گہرا سکوت کہ اگر ایک سوئی بھی گرتی تو اُس کی آواز سنائی دیتی۔ دفعتاً اس گہرے سکوت کو توڑتی ایک لڑکی کی آواز گونجی۔

''وہ دیکھو شمائلہ ریاض''، کسی لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر اشارہ کیا۔

یہ آواز جہاں تک سنی گئی سبھی لوگ ایک لڑکی کی طرف متوجہ ہوئے جو کہ بامشکل ساڑھے تین چار فٹ قد کی مالک تھی اور اب ہال کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے اسٹیج کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ہال میں اس وقت سرگوشیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے۔ شمائلہ ریاض اسٹیج پر پہنچی تو مشعل نے آگے بڑھ کر اُس سے ہاتھ ملایا اور اس کے کاندھے کو تھپتھپا کر اُسے ڈائس کے سامنے کھڑا کیا اور مائیک کو نیچے جھکا دیا۔ اب ہال میں بیٹھے لوگوں کو صرف شمائلہ ریاض کا سر دکھائی دے رہا تھا۔

''میں شمائلہ ریاض ہوں۔ اور آج میں سوچتی ہوں کہ اگر مس مشعل پانچ چھ سال پہلے کوئی ایسا

سیمینار کر رہی ہوتی اور اُس میں، میں بھی موجود ہوتی تو ضرور اپنی زندگی کو اس خطرے میں نہ ڈالتی جس میں، میں اپنے احساسِ کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے مبتلا ہوئی تھی۔ سنیئے......!!'' یہ کہتے ہوئے شمائلہ ریاض نے اپنے ساتھ بیتی بپتا بیان کرنی شروع کی۔

''سکول کے ختم ہونے سے پہلے ہی مجھ میں اپنے چھوٹے قد کو لے کر بے پناہ احساس کمتری پیدا ہو چکی تھی۔ پھر جب کالج میں پہنچی تو یہ احساس کمتری اور بڑھ گئی۔ مجھے کالج میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا اور کسی نہ کسی بات پر مجھے چھوٹے قد کا طعنہ سہنا پڑتا۔ مجھے خود کو بھی یہ احساس ہوتا کہ میں مکمل نہیں ہوں۔ پھر ایک دن میں نے ایک اخبار میں ایک میڈیسن کے بارے میں پڑھا اور میرے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اب میں بھی اس میڈیسن کے استعمال کے بعد اپنی خامی کو ختم کر لوں گی۔

کالج میں آ کر اب مجھے پاکٹ منی بھی زیادہ ملتی تھی۔ میں نے چند ہفتوں کے بعد اتنے پیسے جمع کر لیے تھے کہ اب میں اُن پیسوں سے ایک مہینے کی میڈیسن خرید سکوں۔ میرے کالج کے ساتھ ہی ایک میڈیکل سٹور تھا۔ کالج میں ایک دن چھٹی کے بعد میں نے میڈیکل سٹور سے وہ میڈیسن خریدی اور اُس دن خوشی خوشی گھر جا کر وہ میڈیسن کھانی شروع کر دی۔ وہ میڈیسن مجھے چار سے پانچ مہینے کھانی تھی۔ جب دوسرا مہینہ ختم ہوا تو میرا دل عجیب بے چینی محسوس کرنے لگا۔ میں نے نظرانداز کرتے ہوئے میڈیسن کا استعمال جاری رکھا اور پھر ایک دن میری طبیعت اچانک سے بگڑ گئی۔ میری سانسیں اُکھڑنے لگیں۔ مجھے جسم پر شدید کھاج محسوس ہونے لگی۔ جس پر میں جہاں کھجلاتی میرے جسم پر غبارہ نما اُبھار بننے لگتے۔ میرا چہرہ اس قدر پھول گیا کہ مجھے دکھائی دینا بند ہو گیا اور میری ایسی حالت کو دیکھ کر میرے مما پپا بھائی بہنوں کو جتنی پریشانی ہوئی وہ ایک طرف میرے لیے اذیت ناک تھی۔ مجھے فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ میں نے ڈاکٹر اور گھر والوں کو سب تفصیلات بتائیں۔ ڈاکٹر نے اسی مناسبت سے میرا علاج کرنا شروع کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ صرف چند گھنٹوں میں ہی میری طبیعت سنبھل گئی۔

لیکن میں شرمندہ تھی۔ اپنے اللہ سے، اپنے ماں باپ، اپنے آپ سے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ مجھے تو اس بات کا احساس ہو چکا ہے۔'' شمائلہ ریاض کی آخری بات ختم ہونے تک ہال میں بیٹھے سبھی لوگ کھڑے ہو چکے تھے اور اب ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ وہ ڈائس کے پیچھے کھڑی

کسی کو بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ یہ سوچ کر نہیں کہ وہ اپنی خامی پر قابو نہیں پا سکی تھی بلکہ یہ سوچ کر کہ آج اس نے احساس کمتری کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا تھا۔مشعل اُس کے قریب آئی اس کے آنسو پونچھے اور اسے اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ پھر وہ شمائلہ ریاض کا ہاتھ تھامے اُسے سب کے سامنے لے آئی اور اس کا اپنے ہاتھ میں لیا ہاتھ اُوپر اُٹھا دیا۔تالیوں کی تھمتی آواز رُکی نہیں بلکہ ایک بار پھر سے ہال تالیوں سے گونج اُٹھا تھا۔مشعل نے شمائلہ ریاض کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور پھر مائیک میں اناؤنسمنٹ کی کہ جو لوگ خون کا عطیہ دینا چاہتے ہوں وہ دوسرے ہال میں تشریف لے جائیں۔ یہ سنتے ہی طالب علم ہال سے نکلنے لگے۔زبیر،شہریار غوری اور دوسرے ممبرز نے بھی اسٹیج پر آ کر شمائلہ ریاض کو اُس کے حوصلے کی داد دی۔شمائلہ ریاض نے مشعل سے درخواست کی کہ وہ بھی ان کی ٹیم کا حصہ بننا چاہتی ہے۔ یہ سن کر مشعل کو بڑی خوشی ہوئی اور اُس نے کہا کہ وہ تو ان کی ٹیم کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں ایک بار پھر سے خوشی سے چھلک اُٹھی تھیں۔قریب کھڑے شہریار نے یہ دیکھتے ہوئے شمائلہ ریاض سے کہا کہ جب وہ اُنہیں کل والے سیمینار میں ملے گی تو وہ اُسے ایک چیک دے گا جو کہ اُس کی فاؤنڈیشن میں شمولیت کی خوشی میں ہوگا۔جس پر وہ بہت خوش ہوئی۔ پھر مشعل فاؤنڈیشن میں کام کرنے والے سبھی ورکرز کے ساتھ دوسرے ہال کی جانب بڑھی۔ جہاں طالب علم خون کا عطیہ دینے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔دوسرے ہال میں پہنچ کر یہ دیکھ کر سبھی کو بے حد خوشی ہوئی کہ طلباء اور طالبات کی ایک بڑی تعداد وہاں خون عطیہ کرنے کے لیے موجود تھی اور آج ہونے والے سیمینار پر سب اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔مشعل جب ہال میں پہنچی تو طالب علموں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اُس کے کام کی تعریف کی۔

تھوڑی ہی دیر بعد طالب علموں سے خون جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔مشعل شہریار کو اپنے ساتھ ساتھ سارے کاموں کی تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی اور وہ مشعل کو یوں کام میں محو دیکھ کر یہی سوچ رہا تھا کہ اس کا مقصد کتنا عظیم تھا۔ پھر وہ اپنے آپ سے مخاطب تھا۔''شہریار غوری! یہی وہ لڑکی ہے جس کی تمہیں اب تک تلاش تھی''

وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جب زبیر اُس کے قریب آیا اور بولا:

''بھئی! یہ فائل پکڑواوراس میں اُن طالب علموں کے کوائف درج کرو جوخون کا عطیہ دے رہے ہیں۔''

شہر یار نے فائل ہاتھ میں لیتے ہی پھر واپس زبیر کو تھما دی اور اپنا کوٹ اُتار کر بازو پر لٹکا لیا اور بولا:

''ان طالب علموں کو دیکھو کتنا جوش وخروش نظر آ رہا ہے ان میں۔بھئی میں کیوں اس نیکی سے محروم رہوں۔میں تو خون عطیہ کرنے لگا ہوں۔''

زبیر نے شہر یار کی بات سنی تو پاس کھڑے ایک ورکر کو اشارہ کیا اور پھر شہر یار خون کا عطیہ دینے کے لیے ایک لکڑی کی بنی میز پر لیٹ گیا۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب ابھی فاؤنڈیشن کا ایک ورکر شہر یار کے بازو پر سرنج لگائے خون لے رہا تھا۔اُسی وقت مشعل اُس کے پاس سے گزرتے ہوئے رک گئی۔

''مسٹر شہر یار آپ بھی......ویل ڈن'' وہ مسکراتے ہوئے شہر یار کی جانب دیکھ رہی تھی۔یہی وہ لمحہ تھا جب شہر یار کو لگا اُس کا سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے آنے کا مقصد جیسے پورا ہو گیا ہو۔مشعل وہاں رُکی نہیں اور کام میں مصروف ہو گئی تھی لیکن شہر یار اُس ایک مسکراہٹ کو پا کر کافی دیر تک خوشی سے سرشار رہا۔

خون کا عطیہ کرنے کے بعد اُسے ایک الگ سا ہی احساس ہو رہا تھا۔ایک سکون تھا جو وہ اپنے دل و دماغ میں محسوس کر رہا تھا۔کتنی الگ دنیا ہے یہ جہاں لوگ اپنے لیے نہیں جیتے بلکہ دوسروں کے کام آنا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔وہ ٹانگیں میز سے نیچے لٹکائے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے یہی سوچ رہا تھا۔اُس نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی بہت سے طالب علم خون کا عطیہ دے رہے تھے۔جبکہ بہت سارے اپنی باری کے انتظار میں کھڑے تھے۔سارے فاؤنڈیشن ورکرز دلچسپی سے اپنے کام میں مصروف تھے لیکن مشعل کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔اُس نے اُٹھ کر پاس پڑے کوٹ کو پہنا اور پھر جیسے ہی وہ ہال کے دروازے سے باہر نکلنے لگا اُسے زبیر سامنے سے آتا دکھائی دیا۔

''آج تو شام ہی ہو جائے گی یہاں۔'' زبیر نے شہر یار کے قریب آتے ہوئے کہا۔

قریب آ کر وہ پھر بولا ''شہریار! تم کہیں میٹنگ سے لیٹ تو نہیں ہو رہے؟'' زبیر کی بات سن کر وہ زیرلب مسکرایا جیسے سوچ رہا ہو کیسی میٹنگ۔ میٹنگ تو ایک بہانہ تھی۔ وہ تو آیا ہی اسی مقصد کے لیے تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت مشعل کے قریب رہ سکے۔ پھر بولا ''آج میں نے میٹنگ کینسل کر دی ہے۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ ہی ہوں۔''

''زبردست پھر تو یہاں سے فارغ ہو کر ہم شام کا کھانا ایک ساتھ ہی باہر سے کھائیں گے۔'' شہریار کی بات سن کر زبیر نے کہا۔

''گڈ آئیڈیا'' شہریار نے زبیر کی شام کا کھانا باہر کھانے والی بات کے جواب میں کہا۔

بہت سے ایسے سوال تھے جو آکٹوپس کی طرح اُس کے ذہن میں ہلچل مچا رہے تھے۔ جن کے جواب اُسے صرف زبیر سے ہی مل سکتے تھے اور اس کے لیے اس سے بہترین طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ زبیر کے ساتھ آج رات باہر کھانا کھانے نکلے اور پھر باتوں ہی باتوں میں اُس سے اپنے سوالوں کے جواب تلاش کرے۔ وہ پچھلے دو دنوں کے مقابلے میں زیادہ دیر تک مصروف رہے تھے۔ تمام بلڈ کولیکشن لینے کے بعد انہیں فوراً مناسب درجہ حرارت میں رکھنے اور پھر مطلوبہ جگہ تک پہنچانے جیسے سارے کام سر انجام دیتے دیتے انہیں واقعی شام ہو گئی۔ پھر یونیورسٹی سے نکل کر راستے میں زبیر نے مشعل سے دریافت کیا کہ کیا وہ اُن کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گی لیکن شاید دن بھر کی تھکاوٹ کی وجہ سے اُس نے انکار کر دیا تھا۔ اُنھوں نے مشعل کو گھر ڈراپ کیا اور خود دونوں ہوٹل کی جانب چل پڑے تھے۔

ہوٹل میں پہنچ کر جیسے دونوں کی دن بھر کی تھکاوٹ غائب ہو چکی تھی۔ خوبصورت لائٹنگ، ہلکی ہلکی آواز میں موسیقی۔ یہ ماحول کا ہی اثر تھا کہ اب دونوں خود کو تر و تازہ محسوس کر رہے تھے۔

''شہریار! تمہیں مشعل کیسی لگی؟''

زبیر کے اس اچانک سوال پر شہریار جیسے چونکا۔ اُسے اس ایک لمحے کو زبیر کوئی ٹیلی پیتھی کا ماہر محسوس ہوا جس نے اُس کے دماغ میں چھپی ہر بات پڑھ لی تھی اور اب لمبے چوڑے سوالوں میں پڑنے کی بجائے سیدھا سیدھا اُس سے پوچھ رہا تھا کہ تمہیں مشعل کیسی لگتی ہے۔

''جناب! میں آپ سے مخاطب ہوں۔'' زبیر نے سوچ میں پڑے شہریار کی جانب دیکھتے ہوئے

کہا اور پھر خود ہی بولنے لگا۔

''میں بھی کیا سوال پوچھ رہا ہوں۔ مشعل جیسی شخصیت کی تو یہ توہین ہوگی وہ بھلا کسی کو بری کیسے لگ سکتی ہے۔ ٹھیک کہا ناں میں نے؟''

زبیر کے اس سوال نے شہر یار کو مزید اُلجھا دیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ زبیر نے یہ سوال اُس سے کیوں پوچھا۔

''بھئی! اگر اُس سے اُس دن والے واقعے پر ناراض ہو تو میں اُس کی طرف سے معافی مانگ لیتا ہوں۔'' زبیر نے شہر یار کی سرد مہری محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''ایسا کچھ نہیں یار وہ سب میں کب کا بھلا چکا ہوں۔''

پھر شہر یار نے غور سے زبیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک سوال داغا۔

''زبیر تم تو مشعل کو بہت چاہتے ہوناں'' شہر یار نے کہا تو زبیر فوراً بولا۔

''یہ لفظ شاید چھوٹا پڑ جاتا ہے مسٹر شہر یار! ہم تو ایک دن ایک دوسرے سے بات نہ کریں تو ہمیں چین نہیں ملتا۔ بچپن سے لے کر آج تک ہماری روٹین کا حصہ ہے۔ جب تک ہم دن بھر کی ہر بات ایک دوسرے کو بتا نہ لیں ہمیں نیند نہیں آتی اور مشعل کی زندگی میں ایک میں ہی تو ہوں جسے وہ اپنا بہترین دوست کہتی ہے۔''

زبیر بول رہا تھا جبکہ زبیر کے ہر ہر لفظ کے ساتھ جیسے شہر یار کے دل کی دھڑکن اُوپر نیچے ہو رہی تھی۔ پھر پانی کا ایک بڑا گھونٹ بھرتے ہوئے اُس نے پھر سے زبیر سے ایک سوال کیا۔

''بہترین دوست ہی یا کچھ اور بھی''

زبیر شہر یار کے سوال کو سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہا ہے۔

''ارے نہیں یار! ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ مجھے اس قدر ضرور سمجھتی ہے کہ وہ اکثر کہتی ہے کہ میری پسند کی لڑکی وہ خود ڈھونڈے گی۔''

پھر زبیر نے کچھ سوچتے ہوئے قہقہہ لگایا ''اور شہری پتہ ہے میں اکثر اُسے کیا کہتا ہوں؟ میں اُس کے ٹائپ کا لڑکا نہیں ڈھونڈ سکتا۔ بھئی! وہ تو عبدالستار ایدھی ہی ہو سکتے ہیں۔''

شہر یار نے زبیر کی کہی اس بات پر یوں قہقہہ لگایا کہ جیسے اُس کے مردہ جسم میں پھر سے کسی نے روح پھونک دی ہو۔ اُسے اپنے سوالوں کے جواب مل چکے تھے اور اب وہ اطمینان اور پوری دلچسپی سے زبیر کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر کھانا آیا تو دونوں کھانا کھانے لگے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو ہر طرف گاڑھی دُھند چھائی ہوئی تھی۔ شہر یار کو یہ گاڑھی دُھند دیکھ کر اپنے حادثے والی رات یاد آ رہی تھی۔ مشعل کا اچانک وہاں پہنچنا اُس کی بانہوں میں اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بے ہوش ہونا۔ پھر ڈاکٹر زوار کے توسط سے اُس کے گھر اس کا شکریہ ادا کرنے جانا اور اب زبیر کے گھر یوں اچانک اُس کا مشعل سے سامنا ہو جانا سبھی خوبصورت اور یادگار حادثے تھے جو اُس کی زندگی میں پے در پے رُونما ہو رہے تھے۔ جب کوئی قسمت میں لکھا ہو مسٹر شہر یار تو یونہی خوبصورت حادثے رونما ہوا کرتے ہیں۔ وہ اپنے جرم عشق پہ ناز محسوس کر رہا تھا کہ ہر بار مشعل سے مل کر اُس کی نظر میں مشعل کا مقام بلند تر ہو رہا تھا۔ پہلی بار اُس نے سڑک سے زخمی حالت میں اُسے اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا اور یہ اُس کا بہت بڑا احسان تھا لیکن اُس کی نظر میں انسانیت تھی احسان نہیں۔ پھر آج جب وہ اُس کے سیمینار میں شامل ہوا تو اُسے احساس ہوا کہ اُس کے مقاصد کتنے عظیم تھے۔ وہ یہی سب سوچ رہا تھا جب زبیر نے گھر کے پاس پہنچ کر گاڑی روکی اور پھر خود ہی اُتر کر بیرونی دروازہ کھولا اور پھر گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد وہ سونے کے لیے اپنے کمروں کی طرف بڑھے۔ آج شہر یار پرسکون نیند سویا تھا۔ اُس کے سوچے سارے واہمے غلط ثابت ہوئے تھے اور اُس کے دماغ پر جو بوجھ تھا وہ اُتر چکا تھا۔

صبح پھر وہ زبیر اور مشعل کے ساتھ ایک اور یونیورسٹی میں موجود تھا۔ یہ اسلام آباد کی ایک بڑی انجینئرنگ یونیورسٹی تھی۔ فاؤنڈیشن کے سارے ورکرز اب سیمینار شروع کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان ورکرز میں ایک اور نام کا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ شمائلہ ریاض تھی۔ شہر یار نے حسب وعدہ اُسے ایک چیک بھی دیا جسے لے کر وہ بے حد خوشی ہوئی۔ آج جب وہ اسٹیج پر آئی تو وہ پہلے سے زیادہ پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے پہلے سے بھی زیادہ اچھی طرح اپنے مؤقف کو بیان کیا اور ہال میں بیٹھے سبھی لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

ابھی یہ سیمینار جاری تھا اور اس وقت مشعل اسٹیج پر موجود تھی جب شہر یار کے موبائل پر کال آنے

لگی۔اُس نے اپنا موبائل دیکھا یہ کال اُس کے پپا سفیان غوری کی طرف سے تھی۔وہ فوراً اُٹھ کر ہال سے باہر آیا۔اس نے باہر نکلتے ہی کال ریسیو کی۔

''ہیلو......شہر یار بیٹا!''سفیان غوری گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے۔

''جی پاپا آپ اور مما ٹھیک ہیں؟''شہر یار نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! ہم لوگ ٹھیک ہیں لیکن انعم......''وہ جیسے کہتے کہتے رُک گئے۔

''کیا ہوا انعم کو پپا؟''شہر یار نے فوراً پوچھا۔

''بیٹا! اُس نے نیندآور گولیاں کھا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی اور اب وہ ہسپتال میں ہے۔''

''یہ سب کیسے ہو گیا پپا؟''سفیان غوری کی بات سن کر شہر یار نے بے تاب ہو کر کہا۔

''آپ فوراً واپس آجاؤ بیٹا اور زوار کہاں ہے؟ وہ کال اٹینڈ نہیں کر رہا''

''ہم آرہے ہیں پپا اور زوار کو میں بتا دیتا ہوں''یہ کہہ کر شہر یار نے فون بند کیا اور پھر واپس ہال میں پہنچا جہاں سیمینار ہو رہا تھا۔اندر آکر اس نے زبیر کو ساتھ لیا اور پھر سے باہر آگیا۔تب اس نے زبیر کو بتایا کہ اُسے گھر سے کال آگئی ہے اور اُسے فوراً یہاں سے نکلنا پڑے گا۔اُس کے چہرے پر موجود پریشانی کے آثار دیکھ کر زبیر نے اس سے وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن شہر یار نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔شہر یار نے اُسے کہا کہ وہ اسے گھر چھوڑ دے جہاں اُس کی گاڑی کھڑی تھی اور وہ مشعل کو بعد میں آکر بتائے کہ کسی خاص کام کی وجہ سے اُسے نکلنا پڑا۔

اُسے یہاں آئے ابھی چوتھا دن ہوا تھا لیکن اُس کے یہاں آنے کے بعد اُس کے اپنے شہر میں انعم کی زندگی میں ان چار دنوں میں جو قیامت آئی تھی اور جس کے نتیجے میں وہ اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی شہر یار یہی سوچتے ہوئے زبیر کے گھر سے گاڑی لے کر اب اپنے شہر کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔وہ بار بار زوار کے نمبر پر اُس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اُس کا نمبر مسلسل مصروف جا رہا تھا۔اب شہر یار کو اس بات کی بھی تشویش ہو رہی تھی کہ کہیں زوار کو انعم سے متعلق معلومات نہ مل گئی ہوں اور وہ اکیلا اگر سب کے پاس چلا گیا تو یقیناً یہ عقدہ کھل جائے گا کہ شہر یار اکیلا اسلام آباد گیا تھا اور یہ جھوٹ پکڑا جانے پر اُسے باقی سوالوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔یہی کچھ سوچتے سوچتے وہ نصف سفر

طے کر چکا تھا۔ اُس نے پھر سے زوار کا نمبر لگانے کی کوشش کی۔ اتفاق سے اس بار زوار نے شہریار کی کال ریسیو کر لی تھی۔ زوار کے کال ریسیو کرتے ہی شہریار غصے سے پھٹ پڑا۔

''کبھی تو جلدی کال ریسیو کر لیا کرو۔ انعم زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہسپتال میں پڑی ہے۔ زوار'' وہ ایک ہی سانس میں سب بول گیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو شہریار......کیا ہوا انعم کو؟'' زوار نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

''وہی ہوا زوار جس بات کا ہمیں ڈر تھا۔ انعم نے نیند آور گولیاں کھا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔''

شہریار کی بات سن کر زوار روہانسی آواز میں بولا ''خدارا جلدی بتاؤ وہ اس وقت کون سے ہسپتال میں ہے؟''

زوار نے کہا تو شہریار سمجھانے والے انداز میں بولا ''تم کہیں نہیں جا رہے میں پہنچنے والا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو گے''

زندگی میں پہلی بار زوار کو شہریار پر اس قدر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اگر اس نے شہریار کے کہنے پر اُس کے مما، پپا سے جھوٹ نہ بولا ہوتا تو وہ اسی وقت انعم کو دیکھنے ہسپتال پہنچ جاتا۔ اب وہ کرب ناک حالت میں شہریار کے لوٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔ زندگی میں اتنا خوفزدہ وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے ایک دفعہ جب اسے پہلی بار اپنے کسی سینئر سرجن کی مدد کے بغیر اکیلے سرجری کرنا پڑی تھی تو وہ ایک ایک لمحہ اس پر بھاری گزرا تھا لیکن اب یہ شہریار کا انتظار اُسے اُس سے بھی بھاری لگ رہا تھا۔ وہ بار بار شہریار کو کال کر کے پوچھتا رہا کہ وہ کہاں آ رہا ہے۔ بڑے تکلیف دہ انتظار کے بعد جب شہریار اُس کے پاس پہنچا تو زوار نے جیسے اپنا سر تھام لیا۔ شہریار نے اُسے بتایا کہ پپا کی کال آئی تھی اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ زوار انعم سے ملنے ہسپتال نہ آئے۔ کیونکہ انعم کے مما پپا اُس کی ایسی حالت کا ذمہ دار اُسے ٹھہرا رہے تھے اور وہ زوار سے سخت ناراض تھے۔ زوار کی حالت کو دیکھتے ہوئے شہریار نے اُسے تسلی دی۔

''زوار! تم حوصلہ رکھو اور دعا کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے اب اجازت دو میں ہسپتال پہنچ کر انعم کا حال دریافت کر کے تمہیں کال کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شہریار نے گاڑی ہسپتال کی جانب بڑھا دی۔

ہسپتال پہنچ کر جب وہ وارڈ میں داخل ہوا تو پہلے الفاظ جو اس کے کانوں سے ٹکرائے وہ یہ تھے۔

''اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو میں زندگی بھر تمہیں معاف نہیں کروں گی معین نوازش''

انعم کی مما وارڈ میں کھڑی روتے ہوئے اپنے شوہر معین نوازش سے کہہ رہی تھیں۔ صالحہ بیگم اور سفیان غوری بھی اُن کے پاس کھڑے انہیں تسلی دے رہے تھے۔ جب شہریار ان کے پاس پہنچا تو سبھی نے اس پر گلے شکووں کی بوچھاڑ کر دی۔ انعم کی مما نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اُسے کچھ علم تھا تو وہ خاموش کیوں رہا۔ شہریار اپنے دفاع میں کیا بولتا۔ وہ انعم کی مما اور پپا کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر اُس کے پپا سفیان غوری اسے ایک طرف لے گئے اور اُسے سارے ماجرے سے آگاہ کیا۔ جسے سن کر وہ سمجھ نہیں پایا کہ خوش ہو یا رو دے۔ جب سب کچھ ٹھیک ہونے والا تھا تبھی سب کچھ بگڑ گیا تھا۔

انعم کو جس رات زوار نے اُس کے گھر ڈراپ کیا تھا اُسی رات اُس نے اپنی مما کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اگر شادی کرے گی تو صرف ڈاکٹر زوار سے۔ یہ سن کر اُس کی مما تو جیسے سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

باب10

''تمہارا دماغ توٹھیک ہے انعم تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو''

صبا بیگم نے کہا تو انعم نے فوراً جواب دیا ''ہاں مما میں جانتی ہوں میں کیا کہہ رہی ہوں ۔میرا فیصلہ وہی ہے جو میں نے آپ سے کہہ دیا ہے۔''

اُس کی ماما نے اُس کی ہٹ دھرمی دیکھ کر اُسے کاندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا:

''تمہارے پپا نے یہ سن لیا تو قیامت آ جائے گی ۔تم جانتی ہو ناں وہ سفیان غوری کے کتنے اچھے دوست ہیں اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہ تمہاری شادی شہر یار سے اسی لیے کرنا چاہتے ہیں تا کہ اُن کی برسوں پرانی دوستی اب رشتہ داری میں بدل جائے اور شہر یار میں کمی ہی کیا ہے ۔تم تو خوش قسمت ہو انعم''

یہ سن کر انعم نے اپنی مما کا ہاتھ کاندھے سے ہٹایا اور بولی:

''مما میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ شہر یار میں کوئی کمی ہے ۔میں آپ سے بس یہ کہہ رہی ہوں کہ میں شادی صرف زوار سے ہی کروں گی اور مما سن لیں یہ میرا آخری فیصلہ ہے ۔انعم جس لہجے میں یہ سب کچھ

کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اُس کی مما بالکل ساکت کھڑی حیرانگی سے اُسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

اُسی رات جب جسٹس معین نوازش گھر لوٹے تو صبا بیگم نے بڑی تشویش کے ساتھ انعم والی بات انھیں بتائی جسے سن کر جیسے وہ طیش میں آ گئے۔

''دماغ خراب ہو چکا ہے اُس کا۔ اُس دو ٹکے کے ڈاکٹر سے شادی کرنا چاہتی ہے اور شہر یار جیسے لڑکے کو ریجکٹ کرنے کا کوئی جواز ہے اُس کے پاس''

''معین نوازش یہی بات میں نے بھی اُسے سمجھائی ہے لیکن میں نے اُس کی آنکھوں میں جو دیکھا ہے مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔''

''تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں اُسے سمجھاؤ کہ اُس کی شادی ہو گی تو صرف شہر یار سے۔''

اگلی صبح جب معین نوازش ناشتہ کر کے چلے گئے اور جیسے ہی انعم اُٹھنے لگی اُس کی مما نے اُسے روکا۔

''انعم رُکو...... میں نے رات تمہارے پپا سے بات کی تھی اور میں نے تمھیں سمجھایا بھی تھا کہ وہ ہرگز نہیں مانیں گے۔ انھوں نے دوٹوک جواب دے دیا ہے کہ اگر تمہاری شادی ہو گی تو صرف شہر یار سے۔''

صبا بیگم کی بات ختم ہوتے ہی انعم فوراً بولی ''مما اگر پپا نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا ہے تو میرا فیصلہ بھی آپ سن چکی ہیں۔'' وہ پیر پٹختی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''رُکو انعم'' اس کی مما نے پیچھے سے آواز دی لیکن وہ رُکی نہیں پھر رات کے کھانے کے لیے بھی وہ اپنے کمرے سے نہیں آئی۔ اُس کی مما نے کھانا اس کے کمرے میں ہی بھجوا دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انعم کس قدر ضدی ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ آنے والے ہر پل کو سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ رات کو جب معین نوازش گھر پہنچے تو صبا بیگم نے پھر سے اس موضوع پر بات شروع کی۔

''معین نوازش میں انعم کو بڑی اچھی طرح سے جانتی ہوں اُس کا لب ولہجہ بتاتا ہے کہ وہ ڈاکٹر زوار کو بہت چاہتی ہے اور وہ اُسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

صبا بیگم کی یہ بات سنتے ہی معین نوازش غصے سے بھڑک اُٹھے۔ ہاتھ میں پکڑے سلیپنگ ڈریس کو اُنھوں نے غصے سے بیڈ پر پٹخا۔

''میں بھی دیکھتا ہوں اُسے کیسے نہیں مانتی۔'' وہ یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکلے۔

''رُکیے معین نوازش'' صبا بیگم یہ کہتے ہوئے پیچھے بھاگی۔

''بیٹا انعم! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔''

اب وہ انعم کے کمرے میں اُس کے سامنے کھڑے غصے کے باوجود بڑے دھیمے لہجے میں اُس سے مخاطب تھے۔ انعم جو کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی اپنے پپا کو سامنے پا کر ڈرتی ہوئی بیڈ سے اُٹھی۔ اُسے پتہ تھا کہ اس کے پپا اُس سے کیا پوچھ رہے ہیں۔ اتنے میں صبا بیگم بھی معین نوازش کے پیچھے کمرے میں پہنچ چکی تھی۔ انعم نے اپنی مما کے چہرے کی جانب دیکھا وہ بے حد خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ معین نوازش کے سوال پر انعم نے جواب دیا۔

''پپا میرا فیصلہ وہی ہے جو مما آپ کو بتا چکی ہیں۔''

یہ کہہ کر انعم نے سر جھکا لیا۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ معین نوازش اس وقت کتنے غصے میں تھے۔ اگلے ہی لمحے معین نوازش کا بھاری ہاتھ اُس کے گال پر پڑا اور وہ بیڈ پر جا گری۔

''انعم'' صبا بیگم تڑپ اُٹھی۔

''تمہارا فیصلہ، تمہارا فیصلہ دو دن سے میں یہی سن رہا ہوں۔ آزادی نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ اب ہوش و حواس میں سوچو تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں سفیان غوری کو زبان دے چکا ہوں اور تمھاری شادی اگر ہوگی تو صرف شہریار سے ہی ہوگی۔''

یہ سب کہہ کر معین نوازش غصے میں بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے چلے گئے تھے۔

''مما'' انعم روتے ہوئے اپنی مما سے لپٹ گئی۔

''میری بچی'' صبا بیگم بھی رونے لگی۔

جسٹس معین نوازش طبیعت کے بہت سخت تھے۔ گھر سے باہر اور گھر میں بھی بس وہ اپنا حکم چلانا ہی جانتے تھے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کے فیصلوں سے کسی پر کیا بیتے گی۔

''میں نے کہا تھا انعم چھوڑ دو یہ ضد۔ وہ نہیں مانیں گے'' صبا بیگم نے کہا۔

''اور ممی میں بھی انہی کی بیٹی ہوں۔ پھر میں کیوں اپنی ضد چھوڑ دوں''

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اُس کی مما نے اس کے چہرے پر پھیلے بالوں کو ہٹایا اور اپنے ہاتھوں سے اُس کے آنسو صاف کیے۔

''میری گڑیا مت رو'' وہ کس قدر چاہتی تھی انعم کو۔ ماں تھی اور انعم اُس کی اکلوتی اولاد۔ یوں اُسے اس تکلیف میں دیکھ کر تلملا اُٹھی۔

''تم نے مجھے یہ کس امتحان میں ڈال دیا انعم۔ ایک طرف تم اور دوسری طرف معین نوازش کی زبان۔ وہ تو جو فیصلہ سنا دیں اُس پر ٹس سے مس نہیں ہوتے لیکن پھر بھی میں اُن سے بات کروں گی۔ تم فکر نہ کرو انعم سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ اُسے کاندھے سے لگائے دیر تک بچوں کی طرح تھپتھپاتی رہی۔ پھر اگلے دو روز تک گھر میں بالکل خاموشی رہی۔ انعم نے بھی خود کو فقط اپنے کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ ایک رات جب انعم اپنی مما کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تھی تو وہ کچھ آوازیں سن کر رُک گئی۔

''صبا بیگم! اب میں اس موضوع پر مزید کچھ بھی سننا نہیں چاہتا۔'' معین نوازش غصے میں کہہ رہے تھے۔

''مر جائے گی وہ معین نوازش حالت دیکھی ہے اُس کی۔ پاگل ہو چکی ہے۔'' صبا بیگم نے رونی آواز میں کہا۔

''ہاں تو ہونے دو اُسے پاگل۔ جب اُسے ہماری عزت کا کوئی خیال نہیں تو مرتی ہے تو مر جانے دو۔ زبان دی ہے میں نے سفیان غوری کو سن لیا تم نے''

یہ سن کر باہر کھڑی انعم کے چہرے پر آنسو تھے کہ کسی آبشار کی طرح بہہ نکلے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر کسی بے جان شے کی طرح گر پڑی۔ اُس نے خیالوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُس کے پپا ایسے الفاظ بھی اُس کے متعلق ادا کر سکتے تھے۔ پھر اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ تیزی سے سائیڈ ٹیبل کھنگالنے لگی لیکن وہ جو کچھ ڈھونڈ رہی تھی ایسا اُسے کچھ بھی نہ ملا۔

اگلی صبح معین نوازش اپنے دفتر آ کر بے چین سے رہے۔ انھوں نے اپنی ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں جس ہاتھ سے اُنھوں نے انعم کو مارا تھا اب وہ اُس ہاتھ کو دیکھے جا رہے تھے۔ زندگی میں جسے وہ

خود سے بھی زیادہ چاہتے تھے اُس پر اُنھوں نے ہاتھ اُٹھایا تھا۔ اس بات کا اب اُنھیں رنج ہو رہا تھا۔ پھر وہ یونہی آبدیدہ سے بیٹھے بیٹھے مسکانے لگے۔ اُنھیں انعم کا بچپن یاد آ رہا تھا کتنی سیانی باتیں کرتی تھی اور عمر کوئی دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ یہ اتنی سی بچی اور اُس کی باتیں۔ بھئی جسٹس معین نوازش کی بیٹی ہے۔ وہ پھولے نہ سماتے تھے۔ گڈھی گڈھے کے بیاہ کرتے کرتے وہ خود کب بیاہ کے قابل ہوگئی پتہ ہی نہیں چلا۔ اُن کے سفیان غوری سے بہت پرانے مراسم تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب وہ اپنی اتنی پرانی دوستی کو رشتہ داری میں بدلنا چاہتے تھے لیکن پھر بیٹی کی ضد آڑے آ گئی۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے وہ کرسی سے اُٹھ کر کھڑکی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ دوسری منزل پر واقع اُن کے اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے سڑک پر دوڑتی، بھاگتی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ زندگی اپنی رفتار سے رواں دواں تھی لیکن اُن کے لیے وقت جیسے ٹھہر چکا تھا۔ اُنھوں نے اپنا کوٹ پہنا اور وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اُن کا ارادہ سفیان غوری سے ملنے کا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ وہ سفیان غوری کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کر دیں گے۔ اسی مقصد کے لیے اُنھوں نے سفیان غوری کو کال کی، اُنھیں پتہ چلا کہ وہ گھر پر ہی تھے۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ سفیان غوری کے گھر پہنچے تو وہ ہمیشہ کی طرح بڑی گرم جوشی سے ملے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد معین نوازش کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اُنھیں یہ بات کیسے بتائیں کہ اُن کی بیٹی شہریار سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ وہ اُن کے بیٹے کے دوست ڈاکٹر زوار سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ سفیان غوری نے پھر جیسے کچھ محسوس کرتے ہوئے پوچھا:

''کیوں معین کچھ کھوئے کھوئے سے دکھائی دے رہے ہو۔''

معین نوازش نے اپنے جھکائے ہوئے سر کو ایک بار اُٹھا کر غور سے سفیان غوری کی جانب دیکھا اور پھر سے اپنا سر جھکا لیا۔ سفیان غوری اُسے جس قدر سمجھتے تھے یوں معین نوازش کی حالت کو دیکھتے ہوئے اپنی نشست سے اُٹھ کر اُن کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

''معین کیا بات ہے؟'' سفیان غوری نے اُن کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''سفیان! میری بیٹی شہریار سے شادی نہیں کرنا چاہتی'' معین نوازش نے کہا تو سفیا غوری بہت حیران ہوئے اور بولے:

''لیکن ایسا کیوں؟ کوئی وجہ تو ہوگی۔''

''ہاں وجہ ہے۔ وہ ڈاکٹر زوار سے شادی کرنا چاہتی ہے۔''معین نوازش کی یہ بات سن کر دفعتاً ہی کمرے میں سناٹا چھا گیا اور پھر اس سناٹے کو سفیان غوری کے زوردار قہقہے نے یوں توڑا کہ انھوں نے معین نوازش کو کاندھے سے پکڑ کر اُٹھایا اور گلے سے لگالیا۔ معین نوازش جیسے حیرت کے سمندر میں ڈوبے سفیان غوری کے گلے سے لگے ہوئے تھے۔ پھر سفیان غوری معین نوازش کو اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولے:

''بھئی ڈاکٹر زوار کو میں اپنے بیٹے شہریار سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں یا یوں سمجھ لو کہ وہ میرا دوسرا بیٹا ہے۔ یوں انعم بیٹی بہو تو میری ہی بنے گی ناں''

سفیان غوری کی یہ بات سن کر معین نوازش کو کچھ حوصلہ ہوا اور اس وقت وہ سفیان غوری کے بارے میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایسا دوست صرف قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب انعم بھی بازار سے خواب آور گولیاں لے کر گھر کی طرف جارہی تھی۔ پھر وہ کال بھی معین نوازش کو سفیان غوری کے گھر ہی کھانا کھاتے ہوئے آئی کہ اچانک انعم کی حالت بگڑ گئی ہے۔ سبھی یہ سنتے ہی معین نوازش کے ساتھ گھر پہنچے اور پھر انعم کی بگڑتی حالت کے پیش نظر اُسے فوراً ہسپتال لے گئے۔

باب11

شہر یار کو اپنے پپا کی یہی بات سن کر سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس بات سے خوش ہو یا اُداس جہاں سبھی زوار اور انعم کے رشتے پر رضا مند ہو گئے تھے وہیں انعم کے اس قدم نے انھیں مایوس کر دیا تھا۔ اب سبھی وارڈ میں کھڑے انعم کے لیے دُعائیں کر رہے تھے۔ صبا بیگم کی تو رو رو کر بری حالت ہو رہی تھی۔ پھر (آئی سی یو) کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر کے باہر آنے پر سبھی اُن کی جانب بڑھے۔

''خطرے کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو اچھا ہوا آپ فوراً ہسپتال چلے آئے۔ آپ کی بیٹی اب خطرے سے باہر ہے۔''

ڈاکٹر کے یہ الفاظ سنتے ہی سبھی نے خدا کا شکر ادا کیا۔ شہر یار خوشی سے معین نوازش اور اپنے پپا سفیان غوری سے گلے ملنے کے بعد ایک طرف کو چلا گیا۔ کیونکہ وہ جلد سے جلد زوار کو اس خوشخبری سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ شہر یار نے سبھی لوگوں سے دور ایک طرف آ کر زوار کا نمبر ڈال کیا۔ اُس نے پہلی ہی

بیل جانے پر کال ریسیو کر لی تھی۔

''شہریار! انعم اب کیسی ہے؟'' اُس کا پہلا سوال ہی یہ تھا۔

انعم اب خطرے سے باہر ہے زوار...... اور یہ بات ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر نے آ کر بتائی ہے۔''

زوار نے یہ سن کر اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر جیسے وہ انعم سے ملنے کے لیے بے تابی کا اظہار کرنے لگا۔شہر یار نے اُسے بتایا کہ معین نوازش کو اب اپنی بیٹی انعم اور تمہارے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ ابھی غصے میں ہیں۔ پھر شہر یار نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اُسے صبر سے کام لینا پڑے گا۔ وہ کوشش کرے گا جیسے ہی موقعہ ملا وہ اُس کی انعم سے ملاقات کا بندوبست کر دے گا۔ زوار سے بات کر لینے کے بعد وہ پھر سے سبھی کے پاس آ گیا جو کہ وارڈ سے باہر دیوار کے ساتھ لگی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انعم کی طبیعت تو اب خطرے سے باہر تھی لیکن ڈاکٹر نے ابھی چند گھنٹے اُس سے کسی کو بھی ملنے سے منع کر رکھا تھا۔ اب سب کو ایک طرح کا سکون ہو گیا تھا کہ انعم کی زندگی اب خطرے سے باہر آ گئی تھی۔ سبھی اُس کی جلد صحت یابی کے لیے دعا کر رہے تھے۔ جبکہ اُس کے پپا معین نوازش دل ہی دل میں خود کو کوس رہے تھے کہ اگر وہ اس مسئلے کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بناتے تو آج اُن کی پیاری بیٹی کی یہ حالت انہیں نہ دیکھنا پڑتی۔

سفیان غوری سوچوں میں گم بیٹھے معین نوازش کے قریب آئے اور اُن کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے'' بھئی! اب جلد سے جلد ہم انعم بیٹی کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں''

سفیان غوری کی یہ بات سن کر صبا بیگم جیسے چونکی۔ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ دراصل ان کے شوہر معین نوازش اپنی بیگم کو سفیان غوری سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتا پائے تھے۔ پھر جب اُنھوں نے ساری بات کھل کر صبا بیگم کو بتائی تو اُن کے دماغ پر جو بوجھ تھا وہ ہلکا ہو گیا اور ساتھ ہی اُن کے دل میں جو معین نوازش کے رویے کو لے کر رنج و غم تھا وہ بھی جاتا رہا۔ چند گھنٹے یونہی بیت گئے اور پھر اُنھیں انعم سے ملنے کی اجازت مل گئی۔ معین نوازش اپنی بیٹی کے سامنے جانے سے کترا رہے تھے۔ جبکہ ہوش میں آنے کے بعد انعم نے پہلے اپنے پپا کے بارے میں پوچھا۔ وہ شرمندہ تھی اور اب اپنے پپا سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنی مما سے کہا:

''مما، پپا مجھ سے ناراض ہیں۔ وہ مجھ سے ملنے نہیں آئے۔''

''نہیں بیٹا یہ بات نہیں۔ بلکہ وہ تو تم سے اتنا شرمندہ ہیں کہ وہ تمھارے سامنے ہی نہیں آ پا رہے۔ تمہارے انکل اُنھیں لینے گئے ہیں۔ وہ باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

صالحہ بیگم نے کہا اور پھر وہ انعم کو بتانے لگی کہ جب اُس کی حالت بگڑنے پر اُنھوں نے انعم کے پپا سے رابطہ کیا تو اُس وقت وہ سفیان غوری کی طرف تھے۔ پھر وہ انعم کو ساری صورت حال سے آگاہ کر رہی تھیں جب سفیان غوری معین نوازش کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

''لو بھئی! آ گئے آپ کے پپا اب جو چاہو انھیں سزا سنا دو۔''

سفیان غوری معین نوازش کو کاندھے سے لگائے انعم کے پاس آئے۔

''انعم بیٹا! تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں بس تم آرام کرو''

معین نوازش نے کہا تو اندر سے جیسے وہ پگھل چکے تھے۔ شہر یار انعم کے بالکل سامنے اُس کے پاؤں کے رُخ کھڑا تھا اور موقع ملنے پر وہ اُسے طرح طرح کے اشارے کر رہا تھا تا کہ وہ مسکرا دے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ انعم زندگی اور موت کے درمیان موجود باریک پٹی پر چل کر لوٹی تھی۔ ابھی وہ اُس کے ان تیکھے اشاروں کے جواب دینے کے قابل کب تھی۔ رات دیر تک یہ جذباتی قسم کے مناظر چلتے رہے۔ پھر سفیان غوری سب سے اجازت لے کر اپنے خاندان کے ساتھ گھر واپس آ گئے تھے۔

رات کو ہی زوار نے شہر یار کو کال کی اور پھر جیسے وہ کرید کرید کر انعم کے بارے میں پوچھتا رہا۔ شہر یار نے اُسے بتایا کہ ابھی اُسے گھر شفٹ ہونے میں چند دن لگیں گے۔ پھر زوار نے اُس سے درخواست کی۔

''شہر یار! میں کل انعم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم جیسے بھی کوشش کر کے میری اُس سے ملاقات کروا دو۔''

شہر یار نے کچھ سوچ کر حامی بھر لی اور اُسے کہا کہ وہ کل دوپہر کے وقت ہسپتال کے باہر موجود رہے اور جب وہ اُسے کال کرے گا وہ اُس کے بتائے ہوئے کمرے میں چلا آئے۔ شہر یار کی بات سن کر زوار بے حد خوش ہوا۔ جس پر شہر یار نے اُسے تنگ کرنے کی غرض سے کہا:

''آخر بھئی! تم میرے پیرنٹس کے گود لیے ہوئے بچے ہو اور یوں میرے منہ بولے بھائی ہوئے۔ بھلا ہماری مجال جو ہم آپ کی بات ٹالیں۔'' یہ سن کر زوار نے قہقہہ لگایا اور پھر فون بند کر دیا۔

صبح صالحہ بیگم سویرے سویرے سب کے اُٹھنے سے پہلے ہی ناشتہ لے کر ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ پھر چند گھنٹوں کے بعد سفیان غوری اور شہر یار بھی ہسپتال آ گئے۔ معین نوازش ان کے پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی ایک ضروری کال آنے پر دفتر جا چکے تھے۔ سفیان غوری بھی کچھ ہی دیر انعم کے پاس بیٹھے اور پھر کام کے سلسلے میں اُنھیں بھی نکلنا پڑا۔ یوں اب انعم کے پاس شہر یار، اُس کی مما صالحہ بیگم اور انعم کی مما صبا بیگم ہی موجود تھے۔ شہر یار نے ہسپتال پہنچتے ہی اپنی مما کو بتا دیا تھا کہ آج دوپہر کے وقت وہ زوار اور انعم کی ملاقات کروانا چاہتا ہے۔ لہٰذا دوپہر میں وہ تھوڑی دیر کے لیے کسی بہانے صبا بیگم کو لے کر باہر چلی جائیں کیونکہ ہو سکتا ہے ابھی اُنھیں زوار کو دیکھ کر اچھا محسوس نہ ہو۔ شہر یار کی اس بات پر صالحہ بیگم نے پہلے تو تشویش ظاہر کی کہ کہیں صبا بیگم ناراض نہ ہو جائیں لیکن پھر اُنھوں نے سوچا کہ اب جبکہ اُنھیں انعم اور زوار کے رشتہ پر بھی کوئی اعتراض نہیں تو پھر ایسا کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یوں پھر وہ راضی ہو گئی۔ ابھی شہر یار انعم کے پاس بیٹھا اُسی وقت کے انتظار میں تھا کہ کب اُس کی مما صبا بیگم کو ساتھ لے کر باہر جائیں اور وہ جھٹ سے کال کر کے زوار کو بلا لے۔

''بھئی! مجھے تو یہاں گھٹن محسوس ہو رہی ہے اور آپ بھی رات سے اب تک یونہی اس کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ چلیے تھوڑی دیر باہر سردیوں کی نرم دھوپ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔''

صالحہ بیگم نے کہا تو صبا بیگم اُٹھ کر اُن کے ساتھ باہر چلی گئیں۔ دونوں کے جاتے ہی شہر یار نے کرسی کھسکائی اور انعم کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''تمھیں پتہ ہے انعم تمھارا پاگل بالکل پاگل ہے۔ صبح سے ہسپتال کے باہر آ کر کھڑا ہے کہتا ہے۔ مجھے انعم سے ملنا ہے۔'' انعم یہ سن کر مسکائی۔

''انعم! میں اسے بلا رہا ہوں'' یہ کہتے ہوئے شہر یار نے کال کی۔ اُس کی توقع سے بھی پہلے سے زوار باہر کھڑا اُس کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر شہر یار نے اُسے وارڈ اور کمرہ نمبر بتایا اور کہا کہ اب وہ جلدی سے آ جائے۔ تھوڑی ہی دیر بعد پھولوں کا بہت بڑا بوکے اُٹھائے جس میں ہر ہر رنگ کے پھول

تھے زوار کمرے میں داخل ہوا۔ زوار کو دیکھ کر شہر یار اُٹھا۔

''میں تو چلا اب میں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

زوار نے پھولوں کا بوکے انعم کے پاس رکھا۔ پھر جیسے نہایت معصومیت سے بولا۔

''انعم! میں تو پاگل تھا ہی تم بھی پاگل نکلی۔ اپنی زندگی کو ہی ختم کرنے چلی تھی اور یہ بھی نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوگا۔''

''اگر تم جسٹس معین نوازش کی بیٹی کو پرپوز کر سکتے ہو زوار تو میں کیا اتنا بھی نہیں کر سکتی تھی۔''

''اُف...... یہ اتنا تھا۔ انعم! تم نے تو حد کر دی۔'' زوار کی بات سن کر انعم نے پلکیں جھکا لیں۔

پھر دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے اور تب چونکے جب اُنھیں باہر سے شہر یار کی آواز سنائی دی۔

''عمر قید کے قیدیوں کی ملاقات کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے۔''

شاید شہر یار نے ایسا اس لیے بھی کیا تھا کیوں کہ وہ زوار اور انعم کی اس ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتا تھا اور اب زوار کو انعم کے پاس بیٹھے کافی وقت بیت چکا تھا۔ پھر زوار کو ساتھ لے کر شہر یار ہسپتال کے عقبی دروازے تک چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ اُسی رات راؤنڈ پر آئے ڈاکٹر نے انعم کا مکمل چیک اپ کیا اور معین نوازش کو خوشخبری دی کہ اب وہ انعم کو گھر لے جا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی کچھ ادویات لکھ دیں جو کہ انعم کو ابھی مزید کئی روز تک کھانی تھیں۔ یوں اُسی شام معین نوازش اور صبا بیگم اپنی بیٹی کو لے کر گھر چلے گئے۔

سفیان غوری نے بھی اُسی شام گھر پہنچ کر زوار کو کال کی اور اُسے رات کھانے پر آنے کی دعوت دی۔ اُن کا مقصد یہی تھا کہ اتنا سب ہو جانے کے بعد اب انعم اور زوار کی شادی میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ یوں رات کے کھانے پر سفیان غوری، صبا بیگم اور شہر یار کے ساتھ ساتھ زوار بھی موجود تھا۔ سفیان غوری زوار سے مخاطب تھے۔

''بیٹا! جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد یہ فریضہ ادا ہو جائے تو اچھا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے سوچا ہے کہ چونکہ اب آپ کے دادا دادی کافی ضعیف ہو چکے ہیں تو ہم ہی آپ کی طرف سے معین نوازش کے گھر جائیں اور پھر چھوٹی سی منگنی کی رسم ادا کرنے کے بعد دن بھی طے کر دیں۔ بس اسی

سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا تھا۔''

سفیان غوری نے اپنی بات مکمل کی تو زوار بولا''انکل! آج میں جس مقام پر ہوں یہ آپ لوگوں کی بدولت ہی تو ہے۔ ورنہ اچانک سے مماپپا کی حادثاتی موت کے بعد تو میں اپنا تعلیمی سلسلہ بھی جاری نہ رکھ پاتا۔ آپ نے ہر قدم پر مجھے سہارا دیا۔ اب جو بھی کرنا ہے آپ لوگوں نے ہی کرنا ہے۔''

زوار کے بات ختم کرتے ہی صالحہ بیگم بولیں''بیٹا! ہم نے تو تمھارے اور شہر یار کے درمیان کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔ جیسا ہمارے لیے شہر یار ہے ویسے ہی تم بھی ہمارے بیٹے ہو۔''

صالحہ بیگم کی بات کاٹتے ہوئے سفیان غوری بولے''بیگم پھر کیا خیال ہے ہم لوگ کل رات ہی چلتے ہیں معین نوازش کی طرف''

سفیان غوری کی اس بات پر سبھی متفق ہو گئے تھے۔ پھر اُنھوں نے رات کو ہی معین نوازش کو بھی اس بات سے آگاہ کیا تو اُنھیں بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

اُسی رات شہر یار نے انعم کو کال کی''انعم تمھاری قربانی تو رنگ لے آئی مبارک ہو۔'' انعم کے فون ریسیو کرتے ہی شہر یار نے اُسے کہا۔

''سوری شہر یار! میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔''

یہ کہتے ہوئے انعم کی ہنسی چھوٹ گئی اور پھر یہ الفاظ سنتے ہی شہر یار بھلا کیسے سنجیدہ رہ سکتا تھا۔ یہ وہی الفاظ تھے جو وہ ہمیشہ انعم کو تنگ کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا لیکن اب وہ ہمیشہ کے لیے ڈاکٹر زوار کی ہونے جارہی تھی۔

''انعم! تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے۔ سوچ لو بائیس گھنٹے پڑے ہیں۔ اس شہر کے معروف صنعت کار سفیان غوری کا اکلوتا صاحبزادہ شہر یار غوری یا ڈاکٹر زوار فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

'' بکومت شہر یار! اچھے دوست تو ایسے موقعوں پر دعا دیتے ہیں کہ اُن کے دوست سدا خوش رہیں اور تم ہو کہ ابھی بھی تمہیں یہ شرارتیں سوجھ رہی ہیں۔''

''اچھا میری نانی۔ میں شہر یار غوری اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دیتا ہوں کہ جسٹس معین نوازش کی صاحبزادی اور میری بہترین دوست انعم میرے بہترین دوست زوار کے ساتھ سدا خوش رہے۔''

شہر یار کے یہ الفاظ سنتے ہوئے بیچ بیچ میں انعم زور زور سے ہنستی رہی۔ انعم کو ہنستا پا کر شہر یار کی حس مزاح جیسے پھر پھڑ کی۔

''اب جو کل کچہری لگنے والی ہے۔ انعم کہیں ایسا نہ ہو کہ جسٹس معین نوازش کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ گواہوں کی عدم موجودگی اور جرم ثابت نہ ہونے کی صورت میں یہ پیشی برخاست کی جاتی ہے۔''

شہر یار نے ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوہ! شٹ اپ مسٹر شہر یار میرے پپا بہت اچھے ہیں۔''

''بالکل......اب وہ مان جو گئے ہیں۔'' شہر یار نے تڑاک سے جواب دیا۔

''شہری تم بھی ناں......'' انعم اپنی بات ادھوری چھوڑ کر پھر بولی ''اللہ کرے تمھیں بھی کسی سے محبت ہو جائے۔ پھر میں دیکھوں گی تم کیا کرتے ہو۔''

انعم کی اس بات پر شہر یار نے چپ سادھ لی۔ جیسے سوچ رہا ہو انعم تمھیں کیا معلوم کہ جس سزا کی تم میرے لیے دعا کر رہی ہو اُس آگ کی تپش تو اب میرے دل سے نکل کر پورے وجود میں امر بیل کی طرح اپنا گھر بنا چکی ہے۔ پھر جیسے مشعل کا خیال آ جانے پر شہر یار نے فون بند کر دیا۔ انعم بہت چیختی رہی۔ بات کرنے کے لیے اُسے روکتی رہی لیکن شہر یار نے ان سنی کر دی۔

باب12

اگلے روز شام کے وقت سبھی جسٹس معین نوازش کے گھر موجود تھے۔مختصر سے وقت کے باوجود اُنھوں نے بہترین انتظامات کرر کھے تھے۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے یہ منگنی کی نہیں بلکہ شادی کی ہی تقریب ہونے جارہی تھی۔لان میں خوبصورت لائٹنگ کی گئی تھی اور بہترین کھانوں کے لیے شہر کے مشہور ریستوران کے عملے کی خدمات لی گئی تھیں۔معین نوازش نے اس خوشی کے موقعے پر اپنے قریبی عزیز و اقارب کے علاوہ اپنے دوستوں کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ جبکہ زوار کی طرف سے اُس کے دادا دادی اور سفیان غوری کا خاندان شامل تھا۔ زوار کی بڑی بہن کی شادی جس خاندان میں ہوئی تھی وہ سب امریکہ میں تھے اور اب اس مختصر سے وقت میں وہ شامل نہ ہو پائے تھے لیکن انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ زوار کی شادی میں ضرور شامل ہوں گے۔

کھانے سے فراغت کے تھوڑی ہی دیر بعد منگنی کی رسم ادا کی گئی تو سبھی نے زوار اور انعم کو مبارک باد اور دُعائیں دیں۔ اس کے بعد ساتھ ہی بڑوں نے بیٹھ کر شادی کے لیے دن رکھے جو کہ ایک ہفتہ کے بعد کی تاریخیں تھیں۔ یوں رات دیر تک یہ مصروفیات جاری رہیں۔ پھر صالحہ بیگم اور سفیان غوری نے جسٹس معین نوازش اور صبا بیگم سے اجازت لی اور سبھی خوبصورت یادوں کے ہمراہ واپس لوٹ گئے۔

شہریار اگلے روز سو کر دیر سے اُٹھا تھا۔ رات کو وہ اپنا فون سائلنٹ پر لگا کر سویا تھا۔ اُس نے اُٹھتے ہی اپنا فون دیکھا تو اُسے جیسے ہنسی آ گئی۔ آنے والی سبھی کالز صرف دو ہی لوگوں کی تھیں اور وہ انعم اور زوار تھے لیکن ہنسنے والی بات یہ تھی کہ جہاں زوار کال پہ کال کرتا رہا تھا وہاں انعم بھی زوار سے دو ہاتھ آگے ہی تھی۔ عین اُسی وقت جب وہ ان کالز کے ریکارڈ چیک کر رہا تھا زوار کی کال آنے لگی۔

''کہاں ہو یار کب سے ٹرائی کر رہا ہوں'' شہریار کے کال ریسیو کرتے ہی زوار بولا۔

''وقت بہت کم ہے۔ کام بہت زیادہ ہیں اور ابھی مجھے بہت ساری شاپنگ کرنی ہے۔'' یہی کہنے والے ہو نا تم'' شہریار نے ایک سانس میں کہا تو زوار نے اُسے داد دی۔

''کیوں میاں بہت سمجھدار ہو گئے ہو۔''

''سمجھدار تو میں ہوں لیکن یہ کامن سینس ہے۔'' شہریار نے جواب دیا۔

''اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ تم میری طرف آ رہے ہو یا میں تمہیں لے لوں گھر سے۔''

زوار کی بات سن کر شہریار بولا ''یار ابھی سو کر اُٹھا ہوں۔ اچھا میں فریش ہو جاؤں تمہی آ جاؤ میری طرف۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں ایک گھنٹے تک پہنچ رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر زوار نے فون بند کر دیا تھا۔ زوار کے فون بند کرتے ہی شہریار کے موبائل پر انعم کی کال آنے لگی۔ شہریار نے مسکاتے ہوئے موبائل سکرین پر اُبھرتے ہوئے انعم کے نام کو دیکھا لیکن کال ریسیو نہیں کی۔ وہ اپنے بستر سے اُٹھنے لگا تو پھر سے کال آنے لگی۔ اُس نے اپنے بے ترتیب بالوں میں ایک ہاتھ گھمایا اور پھر اُکتاہٹ بھرے انداز میں کال ریسیو کرتے ہوئے بولا:

''محترمہ! ابھی چند منٹ پہلے ایڈوانس بکنگ ہو چکی ہے۔ لہٰذا مجھے معاف کریں۔''

''شہری تم یہ کیسے کر سکتے ہو۔ مجھے پتہ ہے زوار نے تمہیں کال کی ہو گی لیکن تم یہ اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں ہمیشہ تمہاری پسند کی شاپنگ کرتی آئی ہوں۔ ہاؤ سویٹ کتنی اچھی چوائس ہوتی ہے نا تمہاری'' انعم چہکتے ہوئے بولی۔

''انعم کی بات سن کر شہریار بولا'' انعم! آج تمھاری کوئی تعریف کام نہیں آنے والی لیکن تم بھی کیا یاد کرو گی تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں۔تم میری مما کی خدمات لے لو۔جانتی ہو ناں وہ کتنی سگھڑ ہیں۔''

شہریار کی بات سن کر انعم جیسے ناراض ہو کر بولی'' ہاں جانتی ہوں شہری۔ وہ ابھی تک سوینٹی ایٹیز کی دہائی سے باہر نہیں آ پائی اور تم مجھے اُن کے ساتھ جانے کا مشورہ دے رہے ہو۔''

شہریار ہر ممکن اُس سے جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ بھی کہاں ہار ماننے والی تھی۔

''چلو تم ایسا کرو ابھی زوار کے ساتھ چلے جانا اور شام کو تم میرے ساتھ چلنے والے ہو۔''

انعم کی یہ بات سنتے ہی شہریار جو کہ بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا چہرے کے بل یوں بستر پر گرا جیسے اس کے قفس سے روح پرواز کر گئی ہو۔

''تم تیار رہنا میں تمہیں کال کر لوں گی شہری۔''

انعم بولتی رہی اور شہریار نے فون بند کر دیا۔ پھر شہریار جب تک تازہ دم ہوا زوار اُس کے گھر آ پہنچا۔شادی کے دعوت ناموں کا آرڈر، ہوٹل کی بکنگ اور کچھ شاپنگ کرنے کے بعد جب زوار نے شہریار کو گھر چھوڑا تو تھوڑی دیر بعد ہی انعم اپنی سوِک کار پر آ دھمکی۔اب وہ انعم کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔حالانکہ اب اُس کا دل آرام کرنے کو چاہ رہا تھا۔انعم نے اُسے رات گئے تک ایک شاپنگ سینٹر سے دوسرے شاپنگ سینٹر تک خوب گھمایا اور جب اُسے گھر سے باہر چھوڑا تو یہ تنبیہ کرتے ہوئے گئی کہ ابھی اُسے اور بھی بہت سی شاپنگ کرنی ہے۔شہریار یہ سن کر میکانکی انداز میں چلتا ہوا گھر داخل ہوا اور اپنے کمرے میں پہنچتے ہی وہ بستر پر دراز ہو گیا۔

باب13

اگلی صبح وہ دیر سے دفتر پہنچا تھا۔کئی روز سے دفتری امور میں عدم دلچسپی کے باعث بہت سے کام رُکے ہوئے تھے۔ اپنے سامنے لگا فائلوں کا ڈھیر دیکھ کر اُس نے اپنے منہ میں ہوا بھر کر اُسے یوں غبارے جیسا پھلایا اور ہوا باہر چھوڑ دی جیسے وہ اپنا ذہنی دباؤ کم کرنا چاہ رہا ہو۔ پھر وہ فائلوں کا مطالعہ کرنے لگا۔اپنے کام سے محبت اور کسی پر اندھا دُھند اعتماد نہ کرنا دو باتیں اس نے اپنے پپا سفیان غوری سے سیکھی تھیں۔ فائلوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اب وہ جہاں ضروری ہوتا وہاں دستخط کر رہا تھا۔ پھر ایک چیک اور درخواست پر اُس کی نظر پڑی۔ چیک پر تیس ہزار کی رقم درج تھی اور درخواست میں کسی ورکر نے اپنی بیٹی کی شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے امداد مانگی تھی۔شہریار نے درخواست پر سرسری سی نگاہ ڈالی اور چیک پر دستخط کر دیے تھے۔ یہ اس کمپنی کی پرانی رِیت تھی اور ایسا چیک ہر ورکر کو ان کے بچوں کی

شادی پر دیا جاتا تھا۔شہر یار کو یہ سب کام نمٹاتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔اب دو بج رہے تھے۔وہ اپنی نشست سے اُٹھا اور ٹائی کو ڈھیلا کرتے ہوئے اُس نے اپنا کوٹ اُٹھایا لیکن پہنا نہیں بلکہ بازو پر لٹکا یا۔پھر پرس اور موبائل اُٹھا کر جیسے ہی وہ کمرے سے نکلنے لگا دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی زوار اندر داخل ہوا۔مصافحہ کرنے سے بھی پہلے اُس کی نظر میز پر پھیلی فائلوں کے ڈھیر پر پڑی۔ زوار نے مسکراتے ہوئے شہر یار کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا اور بولا۔

''شہری میں جب تمہیں یوں کام کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے تم انکل کا عکس لگتے ہو۔وہ بھی کام کو اپنا پیشن سمجھتے ہیں اور میری خوش قسمتی یہ ہے کہ میں اس وقت یہاں پہنچا ہوں جب تم اپنا کام نمٹا چکے ہو اور یوں اب تمہارا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔''

زوار کی بات پوری ہونے تک شہر یار اپنا کوٹ واپس بڑی سی ٹیک والی کرسی پر لٹکا کر بیٹھ چکا تھا۔

''پروگرام کیا ہے؟''شہر یار نے سوال کرتے ہوئے زوار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''یہ آپ لوگوں کی ہی مہربانی ہے جو میں بھگت رہا ہوں۔میں نے کب کہا تھا یوں جھٹ منگنی پٹ بیاہ رچا دو۔''زوار نے یوں کہا کہ اُس کے انداز پر شہر یار مسکا یا۔

''اور ہم لوگوں نے کب کہا تھا کہ تم جسٹس معین نوازش کی بیٹی سے عشق لڑاتے پھرو۔اب یہ جرم تم سے سرزد ہوا ہے تو اس کی سزا بھی تمہیں ملنی چاہیے تھی ناں''

شہر یار کی بات سن کر زوار بولا''سزا تو شادی کے بعد شروع ہوگی۔ابھی تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔شادی میں صرف چار دن باقی رہ گئے ہیں اور سارے انویٹیشن ابھی بانٹنے باقی ہیں۔''

زوار نے اپنی نشست سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔شاید ایسے وہ شہر یار کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے متحرک کرنا چاہ رہا تھا۔

''سوری!میں تو بہت تھک چکا ہوں''یہ کہتے ہوئے شہر یار نے خود کو مزید کرسی پر پھیلا لیا تھا۔

''لیکن نقصان تمہارا ہی ہوگا۔ابھی یہاں سے سیدھا میں مشعل کی فاؤنڈیشن اُسے انویٹیشن دینے جا رہا ہوں''۔

زوار نے غور سے شہر یار کی جانب نظریں جماتے ہوئے کہا۔اس کا انجکشن صحیح لگا تھا۔

''اوہ......رئیلی!!'' شہر یار جھٹ سے کرسی سے اُٹھا۔اُس نے کوٹ پہنا۔

''آئی ایم ریڈی''

شہر یار نے کہا تو زوار اُس کے یوں جھٹ سے تیار ہونے پر باہر کی جانب بڑھا۔شہر یار نے کمرے سے نکلتے ہوئے پھر سے پلٹ کر اپنے بڑے سے میز کی دراز کھول کر چیک بک نکالی اور اُسے پینٹ کی پچھلی جیب میں ٹھونسنے والے انداز میں رکھتے ہوئے وہ تیز تیز قدم بھرتا زوار کے پیچھے باہر آ گیا۔زوار نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور شہر یار کے بیٹھتے ہی اُس نے گاڑی مشعل کی فاؤنڈیشن کی جانب بڑھادی۔

''میری نیت میں کسی قسم کی کوئی کھوٹ نہیں۔جبھی تو ہر بار کسی نہ کسی بہانے میں مشعل تک پہنچ ہی جاتا ہوں۔'' شہر یار اپنے ذہن میں سوچ رہا تھا جبکہ زوار چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

مشعل کو لے کر وہ اس قدر حساس ہو چکا تھا کہ اب اُس کی تنہائی کا کوئی لمحہ اُس کی یاد سے خالی نہیں رہتا تھا۔شاید یہ بہت بڑی تبدیلی تھی جو اُسے ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ شہر یار کے خیالوں کا تسلسل اُس وقت ٹوٹا جب زوار نے مشعل کی فاؤنڈیشن کے باہر پہنچ کر بریک لگائی۔

شہر یار ابھی بھی خاموش تھا لیکن نہ جانے کیوں گاڑی کا انجن بند ہوتے ہی اُسے اپنے دل کی دھڑکن کیوں اسی رفتار سے چلتی محسوس ہو رہی تھی۔آج وہ مشعل سے اُس کی فاؤنڈیشن میں پہلی بار ملنے والا تھا۔ اندر پہنچنے پر ایک بوڑھے ملازم نے اُنھیں مہمان خانے میں بٹھایا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ وہ مشعل بی بی کو ان کے آنے کی خبر کر دیتا ہے۔ ملازم کے جانے کے بعد شہر یار نے کمرے میں اردگرد نظر دوڑائی۔ چھوٹے سے کمرے کو خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا جس کی سامنے کی دیوار پر فاطمہ جناح،عبدالستار ایدھی، بلقیس ایدھی، مدر ٹریسا اور مشعل کی اپنی فاؤنڈیشن کے بہت سے لوگوں کی تصاویر آویزاں تھیں جن میں بہت سے ایسے لوگ نظر آ رہے تھے جنھیں وہ جانتا نہیں تھا۔ بوڑھا ملازم پھر سے کمرے میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی بولا:

''صاحب! مشعل بی بی ظہر کی نماز ادا کر رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے،ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' زوار نے بوڑھے ملازم کی بات سن کر جواب دیا۔

یہ سن کر ملازم ہاتھ میں پکڑی ٹرے جس میں پانی کی بوتل اور دو گلاس تھے رکھ کر چلا گیا۔تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ کسی موضوع پر باتوں میں مصروف تھے مشعل کمرے میں داخل ہوئی۔ اندر آتے ہی اس نے السلام علیکم کہا۔ وہ سادہ سی شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ جبکہ ساتھ ایک بڑی سی شال اُس نے اپنے سر اور کاندھوں پر اوڑھ رکھی تھی۔

وعلیکم السلام...... زوار اور شہر یار نے ایک ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے مشعل کے سلام کا جواب دیا۔ پھر مشعل نے خود بھی بیٹھتے ہوئے اُنھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بیٹھتے ہی زوار مشعل سے باتیں کرنے لگا لیکن شہر یار جیسے (Trance) میں لگ رہا تھا یا شاید یہ مشعل کی روحانی شخصیت کا سحر تھا۔

''شہر یار! آپ اُس دن اچانک سے اسلام آباد سے لوٹ آئے تھے۔ مجھے زبیر نے بتایا کہ کوئی ضروری کام آ جانے کی وجہ سے آپ کو یوں فوراً نکلنا پڑا۔'' مشعل نے پاس ہی چپ چاپ بیٹھے شہر یار سے کہا۔

''آئی ایم سوری مس مشعل! کام ہی کچھ ایسا تھا کہ مجھے فوراً آنا پڑا۔''

شہر یار نے مختصراً جواب دیا۔ وہ خود ہی کسی تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''نو اِٹس اوکے''، مشعل نے شہر یار کی معذرت کرنے پر جواب دیا۔

''مشعل! آپ میری شادی پر ضرور تشریف لائیے گا۔'' زوار نے مشعل کی جانب شادی کا دعوت نامہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''باقی سب تو ضرور شامل ہوں گے لیکن میں اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔''، مشعل نے زوار کے ہاتھ سے شادی کا دعوت نامہ لے کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں...... آپ ضرور آئیے گا۔ انعم کو آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔'' زوار نے جیسے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''زوار! آپ تو یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں میری مصروفیات اس قدر ہیں کہ میرے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جائے گا لیکن میں کوشش کروں گی۔''

مشعل کی کوشش والی بات سن کر زوار مسکرایا اور بولا:

''آپ دیکھ ہی رہی ہیں سب جلدی میں ہو رہا ہے۔جس وجہ سے میں گھر بھی نہیں آ پایا۔آپ میری طرف سے انکل اور آنٹی جی سے معذرت کر لیجیے گا اور اُنھیں آنے کی تاکید بھی ضرور کیجیے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں زوار۔میں اُنھیں سب بتا دوں گی۔''مشعل نے زوار کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔ابھی اور بھی بہت سے انویٹیشن بانٹنا باقی ہیں۔''زوار نے شہر یار کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

زوار کی بات سن کر شہر یار جیسے کچھ یاد آ جانے پر اپنی جیب میں سے چیک بک نکال کر ایک چیک بھرنے لگا۔

''مس مشعل! یہ آپ کی فاؤنڈیشن کے لیے ایک حقیر سا تحفہ ہے۔''

شہر یار نے چیک مشعل کی جانب بڑھایا۔مشعل شہر یار کے ہاتھ سے چیک لینے کے بعد کافی دیر تک اُس پر درج رقم دیکھتی رہی۔پانچ کے ساتھ درج بہت سے صفر گنتے ہوئے وہ حیرانگی سے یہی سوچ رہی تھی کہ کہیں غلطی سے تو پچاس لاکھ کا چیک نہیں بھرا گیا۔

''شہر یار! یہ پچاس لاکھ روپے۔یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔''مشعل نے یوں چیک پر درج رقم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا جیسے وہ تصدیق چاہتی ہو۔زوار نے بھی مشعل کی بات سن کر حیرانگی سے شہر یار کی جانب دیکھا۔

یہ دیکھ کر شہر یار بولا''یہ تو بڑی حقیر سی رقم ہے مس مشعل۔آپ کا کام تو بہت عظیم ہے۔میں جب اسلام آباد کے وزٹ پر آپ کے ساتھ رہا تو میں نے جانا کہ آپ کتنے عظیم کام سے وابستہ ہیں۔یہ چیک تو آپ کو رکھنا ہی پڑے گا جو کہ اُن لوگوں کے لیے ہے جن کے غموں کا مداوا کرنے میں آپ دن رات مصروف رہتی ہیں۔''

شہر یار نے جس طرح سے جواب دیا تھا مشعل پھر کچھ نہ بول پائی۔بلکہ اُس کی آنکھوں کی چمک اب خوشی سے اور بھی بڑھ گئی تھی۔اُس کے نہ جانے کتنے ہی کام تھے جو سرمایہ طلب تھے اور اب اس رقم

سے وہ ان سبھی رُکے ہوئے کاموں کو بڑی آسانی سے جاری رکھ سکتی تھی۔ مشعل کو یونہی حیران چھوڑ کر زوار اور شہر یار اُٹھ کر چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک چپ چاپ مہمان خانے میں ہی بیٹھی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ یہ بات سب سے پہلے کسے بتائے۔ پھر وہ وہاں سے اُٹھی اور چپ چاپ اپنی فاؤنڈیشن سے گاڑی نکال کر گھر آ گئی لیکن گھر پہنچتے ہی اُس نے خوشی سے چیختے ہوئے سارا گھر سر پہ اُٹھا رکھا تھا۔ جب تک ساری کچہری نہ لگ گئی وہ شور مچاتی رہی۔

''اب بولو بھی کچھ۔ کیا طوفان سر پہ اُٹھا رکھا ہے۔'' فاطمہ بی نے مشعل کا بازو پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

رحمن بابا اور اُن کی بیگم بھی تجسس سے بولے ''ہاں بی بی جی! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اب صبر نہیں ہوتا۔ بتائیں ناں کیا خاص بات ہے؟''

''ہاں ہاں......بھئی! بتاتی ہوں۔'' مشعل نے رحمن بابا اور سکینہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور پھر وہ فاطمہ بی کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''فاطمہ بی! ڈاکٹر زوار کی شادی ہونے جا رہی ہے۔ وہ آج میری فاؤنڈیشن میں آئے ہوئے تھے۔ شادی کا انویٹیشن دینے۔''

مشعل کی بات بیچ میں ہی کاٹتے ہوئے فاطمہ بی بولی ''لو بھئی! سن لو اس کی بات'' فاطمہ بی نے ہنستے ہوئے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا ''شادی ہونے جا رہی ہے اس میں کیا بڑی انوکھی بات ہے۔ جوان جہان لڑکا ہے شادی کی عمر ہو چکی ہے اب اُس کی۔''

''اوہ......ہو فاطمہ بی۔ بات تو پوری سن لیں'' مشعل نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا کہو''

فاطمہ بی کی بات سن کر مشعل نے بولنا شروع کیا:

''فاطمہ بی! ڈاکٹر زوار کے ساتھ شہر یار بھی آئے ہوئے تھے اور انھوں نے............''

مشعل بات ادھوری چھوڑ کر اپنے پرس میں سے چیک نکالنے لگی۔ پھر اُس نے اپنی بات کا سلسلہ

جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اُنھوں نے پورے پچاس لاکھ کا چیک میری فاؤنڈیشن کو ڈونیٹ کیا ہے۔''

''پچاس لاکھ......'' فاطمہ بی نے مشعل کے ہاتھ سے چیک لے کر حیرانگی سے چیک پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''فاطمہ بی بالکل آپ کی طرح ایسے ہی ہم بھی حیران ہوئے تھے لیکن پھر شہر یار نے جب یہ کہا کہ یہ چیک تو وہ ضرورت مند لوگوں کے لیے دے رہے ہیں تو ہمیں رکھنا پڑا۔''

پاس بیٹھے رحمن بابا اور اُن کی بیگم سکینہ جواب تک دلچسپی سے ساری باتیں سن رہے تھے اُنھوں نے مشعل کو مبارک باد دی اور پھر اُٹھ کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

''مشعل! مجھے تو کچھ گڑ بڑ لگتی ہے۔'' فاطمہ بی کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

مشعل فاطمہ بی کی بات میں چھپی گہرائی سمجھ گئی تھی۔

''گڑ بڑ کیسی فاطمہ بی؟ اب تک ہم شہر یار سے جتنا بھی تھوڑا بہت ملے ہیں ہم نے جانا ہے کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔''

مشعل کی بات ختم ہوتے ہی فاطمہ بی بولی ''ہاں بہت اچھے انسان ہیں اور اُس دن جب وہ اپنے مما، پپا کے ساتھ ہمارے گھر آیا ہوا تھا کیسے گُھور گُھور کر تمھیں دیکھ رہا تھا۔ مجھے تو وہ بالکل اچھا نہیں لگا۔''

''چھوڑیں فاطمہ بی۔ آپ کو وہم ہوا ہوگا۔ آپ بھی ناں کچھ بھی عول فول سوچنے لگتی ہیں۔ آپ کو پتہ ہے ہم نے یہ بات سب سے پہلے آپ کو ہی بتائی ہے اور کل سے ہم پھر سے ایک نئے عزم کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیں گے۔''

''اللہ! میری بچی کو کسی کی نظر نہ لگے۔'' فاطمہ بی نے مشعل کی بلائیں لیتے ہوئے اُسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

باب14

اب تک زندگی میں وہ جن خیالوں سے پیچھا چھڑاتی آئی تھی آج رات وہ اُنہی خیالوں کے گھیراؤ میں تھی۔اُس نے کروٹ بدلی۔دایاں ہاتھ اُس کے سر کے نیچے تھا۔شہریار اُس کی جانب چیک بڑھا رہا تھا۔اس نے دایاں ہاتھ اپنے سر کے نیچے سے نکالا اور اس سے اپنی آنکھیں چھپا لیں لیکن یہ کیا شہریار اُسے خون کا عطیہ دیتا دکھائی دے رہا تھا۔وہ مسکراتے ہوئے اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔پھر اس کے کانوں میں شہریار کی مردانہ آواز گونجنے لگی۔مس مشعل آپ جو کام کر رہی ہیں وہ بہت عظیم ہے۔یہ چیک اُن لوگوں کے لیے ہے جن کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے آپ دن رات مصروف رہتی ہیں۔مشعل نے بے چینی سے پھر کروٹ بدلی۔لیکن نہ جانے کیوں وہ ہر بار اُس کے تخیل میں آجاتا۔

پھر جھنجھلا کر وہ اُٹھ بیٹھی''ہاں ہاں مشعل بتاؤ......کیا برائی ہے اُس کے بارے میں سوچنے میں۔نہیں نہیں یہ غلط ہوگا۔مجھے میرا کام بہت عزیز ہے۔ایسے خیالات سوچ کر کیا میں اپنا کام ایمانداری سے جاری رکھ سکوں گی یا شاید اور بھی اچھی طرح سے۔جو شخص صرف چند ملاقاتوں کے بعد اتنی بڑی رقم ڈونیٹ کر سکتا ہے وہ ضرور شادی کے بعد میرے اس کام کو لے کر میرے ساتھ چلے گا۔مجھے لگتا ہے میں صحیح سوچ رہی ہوں۔اُس کے دل میں انسانیت کے لیے ہمدردی اور غمگساری تو موجود ہے۔میرا دل کہتا ہے وہ ایک اچھا انسان ہے۔ایسے بہت سے سوال اُس کے ذہن میں اُٹھتے رہے جن کے مناسب جواب بھی وہ خود ہی ڈھونڈتی رہی۔پھر رات کے کسی پہر جا کر اُس کی آنکھ لگی۔صبح ناشتے کی میز پر وہ سب کے ساتھ موجود تھی۔اگرچہ فاطمہ بی رات کو ہی عدنان بشیر کو چیک سے متعلق بتا چکی تھی۔جو کہ رات کو دیر

سے گھر پہنچے تھے لیکن اب پھر سے ناشتے کی میز پر موضوع بحث چیک ہی بنا ہوا تھا۔

''بیٹا! مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آج بھی ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو اللہ کے دیے میں سے دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور اب آپ لوگوں کو بھی چاہیے کہ آپ شہریار کا شکریہ ادا کریں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں بیٹا۔''

عدنان بشیر نے بات ختم کی تو مشعل بولی ''جی بالکل بابا جانی! ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ ہم ایک چھوٹی سی تقریب منعقد کریں گے جو نہ صرف شہریار کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہوگی بلکہ اُنہیں (Apreciation) شیلڈ بھی دیں گے۔''

''اور یہی نہیں اُسے کسی دن گھر کھانے پر بھی مدعو کر لینا۔'' عدنان بشیر نے ناشتہ کرنے کے بعد کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

وہ پھر بولے ''لو بھئی! مجھے اجازت دو۔ آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ خدا حافظ۔''

عدنان بشیر کے گھر سے نکلتے ہی تھوڑی دیر بعد مشعل بھی اپنی فاؤنڈیشن کے لیے چل پڑی۔ فاؤنڈیشن پہنچنے سے پہلے وہ ایک بینک میں رُکی جہاں اُس نے چیک کو اپنی فاؤنڈیشن کے اکاؤنٹ میں منتقل کروایا اور پھر اپنے دفتر آ گئی۔

دفتر پہنچ کر اُس نے سبھی ورکرز کو میٹنگ روم میں جمع کیا اور جب چیک والی خوشخبری سنائی تو سبھی نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔

''اور اب ہمیں چاہیے کہ ہم سارے کاموں کی الگ الگ فہرست تیار کر لیں تا کہ ہمیں یہ اندازہ ہو جائے کہ پہلے کون سے کام ہیں جنھیں کرنا ضروری ہے۔''

مشعل نے کہا تو سبھی ورکرز نے مشعل کی تجویز کو پسند کیا۔ پھر اُنہوں نے سبھی کاموں کی الگ الگ فہرست تیار کر لی جس کے مطابق وہ پچاس کے قریب بیڈ لگانا چاہتے تھے۔ وہ اس پسماندہ علاقے کے لوگوں کے لیے ڈاکٹر کی خدمات تو لے ہی رہے تھے لیکن اب وہ اس علاقے کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق پیرا میڈیکل سٹاف اور مزید ڈاکٹر رکھنا چاہتے تھے۔ فری ادویات کی سہولت دینا چاہتے تھے۔ اپنے بلڈ بنک کو مزید بہتر بنا کر وہ حاصل کردہ خون کے عطیات زیادہ عرصے تک [illegible]ظ رکھنے کے

قابل ہونا چاہتے تھے اور سب سے ضروری آ گاہی مہم تا کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ شعور پیدا ہو اور وہ خطرناک امراض اور ان کی پیچیدگیوں سے [illegible]ط رہ سکیں۔ یہ سبھی کام ان کے اوّلین ایجنڈا میں شامل تھے۔ مشعل نے تمام ورکرز کو مختلف ٹیموں کی شکل دی اور پھر ہر ٹیم کے ذمہ ایک کام لگا دیا اور اُنھیں کہا کہ وہ کل سے ہی یہ کام شروع کر دیں جس پر سبھی ورکرز نے جوش وجذبے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ آج سے ہی کام شروع کر دیں گے۔ مشعل کو یہ سن کر خوشی ہوئی۔ اُس نے سبھی ورکرز کی حوصلہ افزائی کے لیے ہاتھ اُٹھا کر تالی بجائی تو کمرہ تالیوں کی آواز سے گونج اُٹھا۔

پھر سبھی ورکرز کے کمرے سے چلے جانے کے بعد مشعل میز پر پڑی فائلوں کو کھولے کام میں مصروف ہوگئی۔ اُسے کام کرتے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب اُسے باہر سے شور شرابے کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے وہ ان آوازوں کو توجہ سے سننے کی کوشش کرنے لگی کہ کیا معاملہ ہوسکتا ہے۔ پھر نظرانداز کیے اپنے کام میں مصروف ہوگئی لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد نہ صرف آوازیں بلند ہوگئیں بلکہ اب ان آوازوں کے ساتھ ساتھ رونے اور چلانے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ تب مشعل نے اُٹھتے ہوئے قلم میز پر رکھا اور باہر آ گئی۔ سامنے اچھا خاصا مجمع لگا ہوا تھا۔ بہت سے مرد وخواتین فاؤنڈیشن کے ورکرز کے ساتھ بحث کر رہے تھے۔ جبکہ کسی عورت کی درد سے کراہنے کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر اُبھر رہی تھیں۔ مشعل قریب پہنچی تو ایک حاملہ عورت چار پائی پر درد سے کراہ رہی تھی۔ مشعل کو وہاں پا کر سبھی ورکرز خاموش ہو گئے لیکن اُس عورت کے ساتھ آئے مرد وخواتین بولتے ہی رہے۔

''ڈاکٹر سویرا یہ سب کیا ہورہا ہے؟'' مشعل نے پاس کھڑی ڈاکٹر سے پوچھا۔

''مس مشعل! آپ ہی بتائیں اب ان لوگوں کا کیا کیا جائے۔ پہلے یہ لوگ عطائی دائیوں کے پاس اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں اور جب کیس بگڑ جاتا ہے تو تب یہ کسی ڈاکٹر کا رُخ کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر سویرا جب مشعل سے یہ سب کہہ رہی تھی تو ایک شخص جو بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا وہ مشعل کے قریب آیا۔

''آپ مشعل بی بی ہوناں! بی بی جی ہمارا بیوی بڑا سخت تکلیف میں ہے ہمارا مدد کرو۔ آپ ہمیں نہیں جانتا مگر ہم آپ کو جانتا ہے۔ ہم نور محمد خاں عطر فروش ہے۔ جو وہ سڑک کے دوسرا طرف ریڑھی پر

عطر بیچتا ہے۔''

نور محمد خاں کی بات سنتے ہی مشعل ڈاکٹر سویرا کی جانب دیکھنے لگی۔ مشعل کے کسی بھی سوال کرنے سے پہلے ہی ڈاکٹر سویرا نے خود ہی بولنا شروع کر دیا۔

''مس مشعل! کیس بہت بگڑ چکا ہے اور یہاں ہمارے پاس تمام سہولیات بھی موجود نہیں۔''

ڈاکٹر سویرا کی بات سن کر پاس کھڑا نور محمد خاں رونے لگا اور مشعل کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا: ''بی بی جی ہم آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے۔ ہمارا بیوی بچہ کو بچا لو۔ ہم اِتنا دُور اس حالت میں کیسے اپنا بیوی کو لے جائے گا۔''

خان آپ فکر نہ کرو ہم خود دیکھتے ہیں تمہاری بیوی کو۔ تم بس دعا کرو۔''

یہ کہہ کر مشعل آگے بڑھی۔ اُس نے درد سے کراہتی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اُس سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''خدیجہ'' اُس عورت نے صرف اتنا کہا اور وہ تکلیف سے تڑپنے لگی۔

''خدیجہ! تم صبر کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

یہ کہہ کر مشعل نے خدیجہ کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ پھر نبض اور بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد وہ ڈاکٹر سویرا سے بولی۔

''مجھے لگتا ہے ڈاکٹر ہم نارمل ڈیلوری کر سکتے ہیں۔ ہاں خون کی کمی ضرور ہے لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔ ہمارے اپنے بلڈ بنک سے خون مل جائے گا۔''

مشعل کی بات سن کر ڈاکٹر سویرا بولی ''سوچ لیجیے مس مشعل یہ لوگ ابھی تو ہاتھ جوڑ رہے ہیں پھر خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو یہی لوگ اسلحہ لے کر آ جائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو......''

ڈاکٹر سویرا کی بات بیچ میں ہی کاٹتے ہوئے مشعل بولی:

''آپ پر اُمید رہیں ڈاکٹر سویرا۔ ہم آپ کے ساتھ ہی ہیں۔ اللہ کرم کرے گا۔''

یہ سنتے ہی ڈاکٹر سویرا نے ڈیوٹی پر موجود دو نرسوں کو اشارہ کیا جنھوں نے سٹریچر منگوایا اور وہ

خدیجہ کو لے کر اندر جانے لگیں۔ ڈاکٹر سویرا اور مشعل بھی سٹریچر کے ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھیں جب نور محمد خاں دوڑتا ہوا اُن کے پاس آیا۔

''بی بی جی! ہم آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولے گا۔''

مشعل نے یہ سن کر اُسے دُعا کرنے کے لیے کہا اور پھر وہ خدیجہ کو لے کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ جبکہ نور محمد خاں باہر ہی رُک گیا۔ اب اندر کمرے میں خدیجہ کے پاس ڈاکٹر سویرا، مشعل اور دو نرسیں تھیں۔ ڈلیوری کا وقت قریب آ رہا تھا۔ جب مشعل نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے ڈاکٹر سویرا سے پوچھا:

''ڈاکٹر سویرا! خدیجہ میں خون کی کمی ہے اور ڈلیوری کے بعد خون کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں ان کا بلڈ گروپ کون سا ہے؟''

مشعل کی بات سن کر سویرا بولی ''نہیں مس مشعل۔ مجھے ان کے بلڈ گروپ کا کوئی علم نہیں۔ آپ کے سامنے کی ہی بات ہے کہ کن حالات میں یہ عورت ہم تک پہنچی ہے۔''

یہ سنتے ہی مشعل فوراً باہر نکلی۔ اُس نے نور محمد خاں سے خدیجہ کا بلڈ گروپ پوچھا تو اُس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ مشعل فوراً کمرے میں واپس آئی۔ اُس نے خدیجہ کا بلڈ لیا اور ایک ورکر کو فوراً بلڈ گروپ جاننے اور بلڈ بنک سے بلڈ لانے کے لیے شہر بھیج دیا۔ خدیجہ اس وقت اُسی تکلیف سے گزر رہی تھی جس تکلیف سے گزرنے کی ہی وجہ سے اللہ نے ایک عورت کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ خدیجہ نے ایک صحت مند پیاری سی بچی کو جنم دیا لیکن پھر وہی ہوا جس بات کا مشعل کو خدشہ تھا۔ خدیجہ کی حالت بگڑنے لگی۔ کیونکہ اُسے خون کی اشد ضرورت تھی۔ اسی خدشے کے پیش نظر مشعل سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ایک ورکر کو پہلے سے ہی شہر موجود اپنے بلڈ بنک سے خون لانے کے لیے بھیج چکی تھی۔ اُنھیں خدیجہ کا بلڈ گروپ بھی معلوم نہ تھا اور نہ ہی خدیجہ کے ساتھ آیا کوئی شخص اُس کے بلڈ گروپ سے واقف تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خدیجہ کی حالت بگڑتی چلی جا رہی تھی۔ تبھی خدیجہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے مشعل نے اُسی ورکر کو کال کی جسے شہر خون لانے کے لیے بھیجا تھا۔ اُس نے مشعل کی کال ریسیو کی اور ٹریفک کے شور میں بتانے لگا کہ وہ خون لا رہا ہے لیکن ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے وہ بری طرح سے پھنس چکا

ہے۔ مشعل نے اُسے جلد سے جلد پہنچنے کے لیے کہا اور پھر فون بند کرنے کے بعد وہ مضطرب ہوکر خدیجہ کی جانب دیکھنے لگی۔ خدیجہ اب بے ہوش ہو چکی تھی۔ مشعل اُسے یوں اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا کیسے دیکھ سکتی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے دوبارہ اُسی ورکر کو کال کی اور اُس کے کال ریسیو کرتے ہی اُسے کہا کہ وہ خدیجہ کی بلڈ رپورٹ نکال کر پڑھے اور دیکھ کر بتائے کہ خدیجہ کا بلڈ گروپ کون سا ہے۔ اُس ورکر نے لفافے میں بند خدیجہ کی بلڈ رپورٹ نکال کر پڑھی اور پھر مشعل کو خدیجہ کا بلڈ گروپ دیکھ کر بتایا اور ساتھ ہی مشعل کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ وہ جیسی ٹریفک جام میں پھنس چکا ہے اُس کا رات تک بھی پہنچنا ناممکن ہوگا۔ مشعل نے فون بند کیا اور پھر ڈاکٹر سویرا کو بتایا کہ اُسے خدیجہ کا بلڈ گروپ معلوم ہو گیا ہے اور وہ خود خدیجہ کو خون دینے کے لیے تیار ہے۔ کیونکہ خدیجہ اور اُس کا خون کا گروپ ایک ہی تھا۔ ڈاکٹر سویرا نے یہ سنا تو وہ مشعل کی جانب دیکھتے ہوئے مسکائی اور کہا:

''مس مشعل! مجھے آپ پر فخر ہے۔''

اب مشعل کے جسم سے براہِ راست خون نالیوں کے ذریعہ خدیجہ کو دیا جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد خدیجہ نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر سویرا ساتھ موجود نرسیں اور مشعل اپنی کامیابی پر بے حد خوش ہوئیں۔ مشعل اُٹھی اُس نے باہر جا کر نور محمد خاں اور سبھی ورکرز کو اس کامیاب ڈیلوری کی خوشخبری سنائی لیکن ڈاکٹر سویرا کے ذریعے اُن تک مشعل کی ذہانت، ہمت اور حوصلے کی خبر پہلے سے ہی پہنچ چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سبھی ورکرز اور خدیجہ کے ساتھ آئے مرد و خواتین کی زبانوں پر ایک ہی نام تھا۔ مشعل...... مشعل، نور محمد خاں نعروں کی اُونچی آواز میں مشعل کے قریب آیا تو اُس کی آنکھیں نم تھیں۔ اُس نے اپنے کاندھوں پر موجود رومال سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ مشعل نے اُسے بیٹی کی مبارک باد دی تو وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ مسکاتے ہوئے بولا:

''بی بی جی آپ جانتا ہے ہم نے اپنا بیٹی کا نام کیا رکھا ہے؟ ہم نے اُس کا نام مشعل رکھا ہے۔''

مشعل یہ سن کر مسکاتی ہوئی مجمعے میں سے گزر کر اپنے آفس میں آ گئی لیکن پھر دن بھر کی تھکن کی وجہ سے وہ کوئی اور کام نہ کر سکی اور اپنی فاؤنڈیشن سے نکل کر گھر آ گئی۔ مشعل گھر پہنچی تو فاطمہ بی نے اُسے کچھ یاددہانی کرائی۔

''نونو فاطمہ بی! امپوسبل۔ میں ان دنوں بہت مصروف ہوں۔ پلیز آپ، بابا جانی اور طلحہ بھائی چلے جائیں۔''مشعل نے فاطمہ بی کے اصرار پر جواب دیا۔

مشعل کا جواب سن کر فاطمہ بی جیسے کچھ خفا ہوگئی۔

''اس سے تو بہتر تھا شہر یار تمہیں یہ ڈونیشن ہی نہ دیتا۔'' فاطمہ بی نے کہا تو اُن کے لہجے سے خفگی ظاہر ہو رہی تھی۔

''فاطمہ بی! اِدھر دیکھیں''، مشعل نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جو اپنا رُخ اب دوسری طرف پھیر چکی تھیں۔ مشعل پھر اُن کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

''اچھے بچے یوں رُوٹھا نہیں کرتے''، مشعل نے اپنے دونوں بازو فاطمہ بی کے گلے کے گرد حائل کرتے ہوئے اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ وہی الفاظ تھے جو فاطمہ بی بچپن میں مشعل کے کسی بات پر خفا ہو جانے پر اُسے گدگداتے ہوئے کہتی تھی۔ مشعل کے یہ الفاظ سن کر وہ مسکائے بغیر نہ رہ پائی۔ فاطمہ بی کو مسکاتا دیکھ کر مشعل پھر بولی:

''آپ تو مجھے سب سے زیادہ اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ پھر یہ خفگی کیسی؟''

''خود کو آئینے میں دیکھا ہے کیا حال بنا رکھا ہے۔'' فاطمہ بی نے اُسے بازو سے پکڑے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ پھر سے بولیں ''مجھے یوں لگتا ہے تمہارے پاس اپنے لیے بھی وقت نہیں بچا۔''

''اچھا بھئی سوری! ڈاکٹر زوار کے سب سے چھوٹے بیٹے کی شادی پر میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گی۔''مشعل نے کہا تو فاطمہ بی بے ساختہ ہنسنے لگی۔

''شریر کہیں کی'' انھوں نے آہستہ سے ممتا بھری چپت اُس کے سر پر رسید کی تو مشعل نے ہنستے ہوئے اپنی بانہیں فاطمہ بی کے گلے کے گرد پھیلا دیں۔

باب15

فاطمہ بی، طلحہ اور سب سے پیچھے عدنان بشیر روشنیوں سے جگمگاتے شادی والے گھر داخل ہوئے تو سامنے زوار کے پاس کھڑے شہر یار کی نظریں مسلسل مہمانوں کی آمد و رفت والے دروازے پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔ عدنان بشیر، طلحہ، فاطمہ بی سبھی اُسے اندر آتے دکھائی دیے لیکن فقط وہ ماہ نور اُسے دکھائی نہ دی۔ شہر یار نے سوچا کہ شاید وہ پہلے ہی کہیں اندر آ گئی ہو اور وہ اُسے دیکھ نہ پایا ہو۔ پھر اُس نے اپنے پاس کھڑے زوار کو اس بات سے آگاہ کیا کہ مشعل کا خاندان پہنچ چکا ہے لیکن مشعل دکھائی نہیں دی۔ یہ سن کر زوار نے اُسے کہا کہ وہ ابھی پتہ کرتا ہے۔ وہ مہندی کے لیے سجے اسٹیج سے اُترا اور لوگوں سے ملتا جلتا بال آخر ایک جانب بیٹھے عدنان بشیر اور ان کے خاندان کے پاس آیا۔ سب کو سلام کرنے کے بعد وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ فاطمہ بی اور عدنان بشیر نے اُسے مہندی کی مبارک باد دی تو کچھ رسمی باتوں کے بعد زوار نے پوچھا:

''انکل! مشعل دکھائی نہیں دے رہی۔''

یہ بات سن کر فاطمہ بی فوراً بولی ''بیٹا! وہ بہت مصروف تھی جو وہ شامل نہیں ہو پائی۔ وہ معذرت کر رہی تھی۔''

''نہیں نہیں آنٹی کوئی بات نہیں۔ آپ لوگ آ گئے ہیں۔ میرے لیے یہی بہت اعزاز کی بات ہے۔''

پھر وہ وہاں سے اُٹھا اور شہر یار کے پاس پہنچ کر اُسے بتایا کہ ''وہ محترمہ آج تو نہیں آئی''

زوار کی یہ بات سن کر شہریار کا چہرہ جیسے بجھ سا گیا۔ پھر مہندی کی تقریب رات دیر سے جا کر اختتام پذیر ہوئی تو گھر پہنچ کر وہ سونے سے پہلے یہی سوچتا رہا کہ کل بارات والے دن وہ ضرور آئے گی۔ یہ سوچتے ہوئے وہ پراُمید اور خوش دکھائی دے رہا تھا۔ پھر کب اُسے نیند نے اپنی آغوش میں لے کر سلا دیا اُسے پتہ ہی نہیں چلا۔ صبح وہ دیر تک سوتا رہا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ زوار کی بارات کی تقریب رات کو ہونی تھی لیکن پھر بھی اُسے دوپہر سے پہلے ہی زوار کی کال آ گئی کہ وہ فوراً اُس کی طرف آ جائے۔ یہ دن صرف زوار کی زندگی کا ہی خاص دن نہ تھا بلکہ شہریار کو بھی بے حد خوشی تھی کہ آج اس کے دو بہترین دوست رشتہ ازدواج میں بندھنے جا رہے تھے۔ وہ اسی خوشی سے سرشار جلدی سے اُٹھ کر تیاری کرنے لگا اور پھر جیسے ہی وہ گھر سے نکلنے لگا اُسے انعم کی کال آ گئی۔ شہریار کے کال ریسیو کرتے ہی وہ بولی:

''شہری! میں دلہن بننے جا رہی ہوں۔ تم کہاں ہو؟ میں چاہتی ہوں جب میں دلہن بنوں تو زوار سے بھی پہلے تم مجھے اس رُوپ میں دیکھو۔''

انعم کی بات سن کر شہریار کو جیسے ہنسی آ گئی اور بولا ''لڑکی! ہوش کے ناخن لو۔ یہ بات زوار کو پتہ چلی تو پھر یونہی بیٹھی اُس کا انتظار کرتی رہ جاؤ گی۔''

شہریار کی بات سن کر انعم بولی ''تم فکر نہ کرو شہری زوار اب کہیں نہیں جانے والا۔ آ جاؤ ناں شہری! تم مجھے بتانا میں دُلہن کے روپ میں کیسی لگتی ہوں۔'' وہ شہریار کو آنے کے لیے معصومیت سے اصرار کرنے لگی۔

''انعم! سوچ لو تم تو ویسے ہی بہت حسین ہو۔ یوں دلہن کے روپ میں تمہیں دیکھ کر میں کوئی ایسا ویسا قدم نہ اُٹھا بیٹھوں کہ ہر طرف یہ خبر پھیل جائے کہ جسٹس معین نوازش کی اکلوتی صاحبزادی بارات والے دن غائب'' انعم نے شہریار کی بات ختم ہوتے ہی زوردار قہقہہ لگایا۔

''ہاؤ سویٹ شہری' تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے تو انعم تمہاری فین ہے۔ وہ لڑکی بہت خوش قسمت ہوگی شہری جسے تم ملو گے۔''

''اچھا میری نانی مجھے بھی تیار ہونا ہے۔''

شہریار کی بات سن کر وہ پھر بولی ''تم آ رہے ہوناں؟''

انعم کے اس قدر اصرار پر وہ اُسی کی جانب چلا جاتا لیکن مشعل کو تو زوار کی طرف ہی آنا تھا یہی سوچ کر وہ ٹال گیا۔ پھر وہ زوار کی جانب پہنچا تو وہ اُسے اپنے اور بہت سے دوستوں کے جھرمٹ میں مسکراتا ہوا ملا۔ شہر یار کا پہنچنا تھا کہ قہقہوں کا اِک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو کہ شام تک جاری رہا۔ پھر وہ گھڑی آ ہی گئی جب بڑی دھوم دھام سے بارات شادی ہال پہنچنے کے لیے تیار کھڑی تھی اور یہی وہ گھڑی تھی جب اُس کی متجسس نگاہیں، مہمانوں کی بھیڑ میں مشعل کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن آج اُس کے خاندان کا کوئی فرد دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے چاروں طرف متلاشی نگاہوں سے دیکھا اور کسی کو وہاں نہ پا کر اُس نے سوچا ہوسکتا ہے شادی کارڈ پر درج ہوٹل کے ایڈریس کی وجہ سے اُنھوں نے گھر سے سیدھا ہوٹل ہی پہنچنا ہو اور اُنھوں نے یہاں آنا ضروری نہ سمجھا ہو۔ وہ اسی تذبذب کا شکار تھا جب دفعتاً ہی کسی نے اُس کے کاندھے کو تھپتھپایا۔ وہ مڑا تو سامنے عدنان بشیر کھڑے تھے۔

''برخوردار! دوست کی شادی مبارک ہو۔''

یہ کہتے ہوئے وہ شہر یار سے گلے ملے۔ شہر یار نے عقب میں دیکھا فاطمہ بی اور طلحہ بھی کھڑے تھے۔ اُس نے فاطمہ بی اور طلحہ کو سلام کیا اور پھر پوچھ ہی لیا۔

''آنٹی! مشعل دکھائی نہیں دے رہی''

فاطمہ بی مسکرائی ''بیٹا! یہ آپ کی ڈونیشن کا اثر ہے''

''میں سمجھا نہیں آنٹی'' شہر یار نے کہا۔

''بیٹا! جب سے آپ نے اُسے پچاس لاکھ کا چیک دیا ہے وہ ایک نئے عزم اور جوش سے دن رات اپنی فاؤنڈیشن کے کاموں میں لگی ہوئی ہے جس وجہ سے وہ نہیں آپائی۔''

فاطمہ بی کی یہ بات سن کر شہر یار نے کچھ کہا نہیں وہ فقط مسکرایا اور ساتھ ہی بجھ سا گیا۔ سبھی لوگ اب گاڑیوں میں سوار ہو رہے تھے کہ کچھ ہی دیر میں اُنھیں بارات کی شکل میں ہوٹل پہنچنا تھا۔ شہر یار اب ایک جانب کھڑا فاطمہ بی کی کہی بات پر کبھی مسکرانے لگتا اور کبھی برا سا منہ بنالیتا۔

''میاں! اور کرلو دھان'' اُس نے خود سے کہا۔

بارات ہوٹل پہنچی۔ نکاح ہوا۔ پر تکلف کھانے چلے۔

دولہا دلہنیا کو لے کر گھر پہنچا۔ سہاگ رات بھی گزر گئی لیکن اُسے اس سب سے کیا لینا دینا، اُسے تو اب ولیمے کا انتظار تھا۔ اُمید تھی کہ ہوسکتا ہے وہ ولیمے پر ہی آ جائے۔ کیسے، کیسے الفاظ ڈھونڈ رکھے تھے اُس نے۔ وہ جب سے زوار کے ساتھ مشعل کی فاؤنڈیشن میں اُسے شادی کا دعوت نامہ دے کر لوٹا تھا تب سے اب تک الفاظ ڈھونڈ تا رہا تھا جن الفاظ میں وہ مشعل کو اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ وہ اس خوشی کے موقعے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس سے بے تکلف ہونا چاہتا تھا۔ قربت بڑھانا چاہتا تھا۔ آج تک صرف اُسی کی خاطر اُس نے اپنے جان سے پیارے مما پپا سے جھوٹ بولا تھا اور پھر سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے وہ دوسرے شہر پہنچا تھا۔ اُس نے اپنی اور اپنے جگری یار زوار کی دوستی تک کو داؤ پر لگا دیا تھا اور پھر اتنی بڑی رقم اُس کی فاؤنڈیشن کو ڈونیٹ کر دی تھی۔ یہ سب عشق نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ آج زوار کی ولیمے کی تقریب تھی۔ شہریار اپنے مما، پپا کے ساتھ ولیمے کی اس تقریب میں شرکت کے لیے ہوٹل جا رہا تھا۔ جب سفیان غوری کے موبائل پر دفتر سے کال آئی۔ اکاؤنٹ منیجر یوں پچاس لاکھ بغیر کسی ریکارڈ کے غائب ہونے پر سفیان غوری کو مطلع کر رہا تھا۔

''کیا......؟ پچاس لاکھ روپے بغیر کسی ریکارڈ کے موجود نہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

سفیان غوری کو یوں متعجب ہوتا پا کر منیجر بولا۔

''سر! آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ مسٹر شہریار سے دریافت کیجیے۔ ہوسکتا ہے۔ وہ اس بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو'' سفیان غوری نے یہ کہہ کر فون بند کیا اور پھر وہ شہریار کی جانب متوجہ ہوئے۔

''شہریار بیٹا! چار پانچ دن پہلے کمپنی کے اکاؤنٹ سے پچاس لاکھ نکالے گئے ہیں اور اس کا کوئی ریکارڈ بھی موجود نہیں۔ کیا آپ اس بارے میں کچھ جانتے ہو۔''

شہریار جو کہ پہلے ہی اپنے پپا سفیان غوری اور اکاؤنٹ منیجر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ فوراً بولا ''پپا! وہ پچاس لاکھ تو میں نے مشعل کی فاؤنڈیشن کو ڈونیشن دے دی ہے۔''

''کیا......؟'' صالحہ بیگم اور سفیان غوری کے منہ سے ایک ساتھ حیرانگی سے نکلا۔

''کیا......؟ پچاس لاکھ روپے......!! اتنی بڑی رقم ڈونیشن کر دی۔'' صالحہ بیگم نے کہا تو شہریار نے

یوں اپنے مما پپا کو متعجب ہوتا دیکھ کر کہا۔

''پپا آپ نے ہی تو مشعل کی فاؤنڈیشن کو ڈونیشن دینے کے لیے بولا تھا''

شہر یار کی بات سن کر سفیان غوری بولے:

''ہاں میں نے کہا تھا۔ میں اس بات سے اب بھی انکار نہیں کرتا لیکن بیٹا! میں نے یہ نہیں بولا تھا کہ آپ کمپنی کا سارا اکاؤنٹ ہی مشعل کی فاؤنڈیشن کو ڈونیشن کر دو۔ آج میں جس مقام پر کھڑا ہوں یہ میری دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ پیسہ میں نے بڑی محنت سے کمایا ہے یوں لٹانے کے لیے نہیں کمایا۔''

شہر یار سراسیمہ ہو کر اپنے پپا سفیان غوری کی باتیں سن رہا تھا۔ آج پہلی بار اُس کے پپا اُس سے اس لہجے میں بات کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کے اُسے بھی غصہ آ گیا۔

''ٹھیک ہے پپا میں اپنے اکاؤنٹ میں سے رقم ٹرانسفر کر دوں گا۔ بات ختم کریں اب۔''

''بات ختم کر دوں میں۔'' سفیان غوری نے غصے سے شہر یار کی آخری بات کے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

صالحہ بیگم نے یوں بات بگڑتی دیکھی تو بولی ''خوشی کا موقع ہے سفیان یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ بعد میں بات ہوتی رہے گی۔ چھوڑیں اب یہ سب'' سفیان غوری نے صالحہ بیگم کی بات سنی تو خاموش ہو گئے۔

''چلو بیٹا! آپ بھی پپا سے سوری بولو''

صالحہ بیگم نے ساتھ بیٹھے شہر یار کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''سوری پپا'' شہر یار نے کہا لیکن مسلسل سر جھکائے رکھا جیسے وہ خفا تھا۔

ہوٹل پہنچ کر بھی وہ کچھ اُکھڑا اُکھڑا اُداس ہی رہا۔ آج تیسرے دن بھی اُسے جس کی دید کا انتظار تھا وہ نہیں آئی تھی بلکہ آج تو اس ولیمے کی تقریب میں صرف مشعل کے پپا عدنان بشیر ہی شریک ہوئے تھے۔ صالحہ بیگم کی نگاہیں مسلسل اپنے چہیتے بیٹے شہر یار پر لگی رہیں۔ گاڑی میں ہونے والی جھڑپ کا اثر اُنھیں اس کے چہرے پر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جہاں اپنے دوستوں میں بیٹھا تھا وہ جب کبھی اُٹھ کر جگہ بدلتا وہ مسلسل اُسے دیکھتی رہی۔

سبھی رات دیر سے گھر پہنچے تو شہر یار چپ چاپ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اپنے کمرے میں

آ کراُس نے صرف سائیڈ ٹیبل کا ایک لیمپ روشن کیا اور پھر جوتے اُتارنے لگا۔ دفعتاً دروازہ کھلا۔

شہریار کی مما صالحہ بیگم اندر داخل ہوئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اُنھوں نے دروازے کے ساتھ لگے بٹن کو دبا کر کمرے میں پھیلے ملگجے اندھیرے کو روشن کر دیا۔

''مما! آپ سوئی نہیں'' شہریار نے یوں اپنی مما کو سامنے پا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''جب اولاد جوان ہو جاتی ہے بیٹا تو ماں باپ کو اُن کی فکر ستانے لگتی ہے۔''

صالحہ بیگم نے کہا تو ساتھ ہی وہ شہریار کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھا چکی تھی۔

''اولاد اپنے والدین سے چاہے جتنا بھی چھپائے وہ اپنی اولاد کے دل کی ہر بات جان لیتے ہیں۔''

اپنی مما کی یہ بات سن کر شہریار نے اپنا سر صالحہ بیگم کی گود میں رکھ دیا۔ اُس نے اپنی مما کے ایک ہاتھ کو بوسہ دیا جو کہ دوسرے ہاتھ سے اُس کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ وہ آج بھی ان کے لیے وہی بچپن والا شرارتی شہریار تھا۔ جو چپکے سے آ کر ان کی گود میں سر رکھے سو جایا کرتا تھا۔ وہ چپ چاپ دیر تک اُسے نہارتی رہی اور شہریار بھی خاموش رہا۔

''شہری! کیا تمھیں کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے؟'' دفعتاً صالحہ بیگم نے شہریار سے پوچھا۔

شہریار یہ سن کر جیسے چونکا۔ ابھی وہ اس بات کو راز رکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس بات کو ٹالنے کے لیے کوئی مناسب جواب ڈھونڈ رہا تھا۔ صالحہ بیگم نے جب شہریار کو یوں خاموش دیکھا تو وہ پھر سے بولی ''میں اپنے شہزادے کے لیے کوئی چاند سی لڑکی ڈھونڈوں گی۔''

وہ ارمانوں میں بہتے ہوئے بول رہی تھی۔ شہریار اس بات پر فقط مسکایا۔

''بیٹا! اگر آپ کو کوئی لڑکی پسند ہو تو جلد بتا دینا۔ اب آپ کی شادی میں، میں مزید دیر نہیں کرنے والی۔''

صالحہ بیگم یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر شہریار کی پیشانی پر بوسہ دے کر وہ کمرے سے چلی گئی۔ صالحہ بیگم کے چلے جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک اُن کی ممتا کی بارش میں بھیگتا رہا۔ ماں کی گود میں سر رکھے انسان ہر دُکھ سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور ایسے ہی کچھ لمحے وہ تھوڑی دیر پہلے گزار چکا تھا۔

اب پھر سے کمرے کی تنہائی، ملگجی روشنی اور مشعل کی یاد اُس کے گرد ہالہ سا بنائے ہوئے تھی۔ آخری بار اُس نے پانچ دن پہلے اُسے دیکھا تھا۔ جب وہ زوار کے ساتھ اُس کی فاؤنڈیشن میں شادی کا دعوت نامہ دینے گیا تھا اور اب ان پانچ دنوں کی دوری نے اُسے عجب اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ تین دنوں پر مشتمل شادی کی تقریب کی صورت میں ہونے والی تھکاوٹ کے باوجود نیند جیسے اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ ایسی حالت میں اُس کا جی پھر سے سگریٹ پینے کو چاہ رہا تھا جو کہ بہت عرصہ ہوا وہ اپنی مما کے کہنے پر چھوڑ چکا تھا۔ اُس نے اُٹھ کر ایک کوشش کی۔ سائیڈ ٹیبل کھنگالے لیکن اُسے سگریٹ نہیں ملے۔ پھر یونہی وہ سوچوں کے دھارے پر بہتا چلا گیا اور اُسے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ جب اسے فجر کی اذانیں سنائی دینے لگیں۔ اذان کی آواز سن کر اُسے یاد آیا اُس نے ایک رات خدا سے کچھ مانگا تھا اور بدلے میں اُس نے نماز شروع کرنے کا عہد کیا تھا۔ یہ خیال آنے پر اُس نے اُٹھ کر وضو کرنا شروع کیا۔ تب اُسے احساس ہوا کہ اُسے ابھی ڈھنگ سے وضو کرنا بھی نہیں آتا۔ وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جہاں اُس کے اردگرد موجود ایسے گھرانے اب اپنی روایات بھولتے جا رہے تھے لیکن اُس کا اپنا گھرانا مذہبی تھا۔ سفیان غوری اور صالحہ بیگم نہ صرف صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے بلکہ وہ آئے دن محافل کا بھی انعقاد کرواتے رہتے تھے۔ اس سب کے باوجود اُس پر کوئی کسی قسم کی پابندی عائد نہ تھی اور نہ ہی اُس کے مما پپا نے کبھی اُسے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے سے متعلق کوئی روک ٹوک لگائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بچپن میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لینے اور اسلام کی بنیادی چیزیں سیکھ لینے کے بعد وہ آزاد ہو گیا تھا۔ اُس نے جیسا بھی وضو کیا لیکن اب وہ سر ڈھانپنے کے لیے ٹوپی ڈھونڈ رہا تھا جو کہ اُسے نہیں ملی۔ اس نے اپنی وارڈروب کھولی جہاں جدید فیشن کے رومال لٹک رہے تھے جنھیں مخصوص انداز میں گلے میں لٹکانا فیشن کہلاتا تھا۔ اُس نے ایک کالے رنگ کے رومال کو نکالا اور اُسے عمامہ جیسے سر پر باندھ لیا۔ اب وہ جاءنماز ڈھونڈ رہا تھا۔ جاءنماز کے نہ ملنے پر اُس نے ایک صاف چادر کو نیچے بچھایا اور پھر نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ نیت کرتے ہوئے اُس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اُس نے دو رکعات سنت نماز کی نیت کی اور پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے۔ اُس نے آیات پڑھنی شروع کیں لیکن اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کا دماغ مسلسل غائب تھا۔ وہ نماز کے دوران بھی مختلف خیالات کے گھیراؤ میں رہا۔ اُس

نے سنتیں پڑھ لینے کے بعد دو رکعات فرض بھی پڑھ لیے لیکن وہ بے قرار ہی رہا۔ مسلسل رات جاگنے کی وجہ سے اب اُس کے اعصاب بھاری ہو رہے تھے۔ وہ بستر پر لیٹا تو اُسے فوراً ہی نیند آ گئی۔ پھر اُس کی آنکھ اس وقت کھلی جب دروازے پر مسلسل دستک کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُس نے گھڑی کی جانب دیکھا سوا دس ہو رہے تھے۔ اس نے آنکھوں کو تیزی سے ملتے ہوئے اپنے اُوپر سے چادر ہٹائی اور اُٹھ کر دروازہ کھولا۔

''بڑے صاحب کا پیغام ہے آج تھوڑی دیر کے لیے ہی صحیح لیکن آپ دفتر چکر لگا لینا''

ملازم نے اپنے بڑے صاحب سفیان غوری کا پیغام دیا اور چلا گیا۔ شہریار نے دروازہ بند کیا اور پھر سے سو گیا۔ دو گھنٹے مزید آرام کرنے کے بعد وہ ترو تازہ ہو کر دفتر جانے کے لیے چل پڑا۔

دفتر پہنچ کر سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ اپنے اکاؤنٹ میں سے پچاس لاکھ روپے کمپنی کے اکاؤنٹ میں منتقل کیے۔ ایسا اُس نے اس لیے بھی فوراً کر دیا تھا تا کہ پھر اُسے اس موضوع پر کسی بات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کچھ ضروری فائلوں پر دستخط کرنے کے بعد اُس نے کچھ معلومات لیں جو کہ دفتری امور سے متعلقہ تھیں۔ پھر اُس نے وقت دیکھا ڈھائی بج رہے تھے۔ ان دنوں اُس کا دفتری امور میں دل کہاں لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اُسی وقت دفتر سے نکل آیا۔ گاڑی دھیرے دھیرے آگے بڑھاتے ہوئے اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ مشعل ابھی اپنی فاؤنڈیشن میں ہی ہو گی۔ کیونکہ یہی وہ وقت تھا جب وہ ایک روز زوار کے ساتھ اُس کی فاؤنڈیشن گیا تھا۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ اُسے ملنے اُس کی فاؤنڈیشن کس بہانے سے جائے۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ اتنی بڑی رقم ڈونیٹ کرنے کے بعد اب وہ کوئی احسان جتانے اُس کی فاؤنڈیشن کے چکر کاٹنے لگا ہے۔ یہ سوچ کر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ گاڑی اُنہی راستوں پر ڈال چکا تھا جو کہ مشعل کی فاؤنڈیشن کی جانب بڑھتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کی فاؤنڈیشن کے قریب پہنچا تو اُس نے فاؤنڈیشن کی عمارت سے چند گز پہلے ہی گاڑی روک دی۔ اُس نے مشعل سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا بلکہ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ اُسے دور سے ہی دیکھ کر چلا جائے گا اور اس مقصد کے لیے یہ جگہ مناسب نہ تھی۔ وہ گاڑی سے اُترا نہیں۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے اردگرد نظر دوڑائی۔ مشعل کی فاؤنڈیشن کی جس سمت وہ موجود تھا اُس سے مخالف سمت اُس کی نظر ایک بورڈ پر پڑی

جس پر لکھا تھا ''نور محمد خاں عطر فروش'' ایک بڑے سے نیم کے پیڑ کے نیچے ایک ریڑھی موجود تھی جس پر ٹین کی ایک چھت بھی تھی۔ شہر یار نے گاڑی آگے بڑھا کر نیم کے پیڑ کے موٹے سے تنے کے پاس کھڑی کی اور پھر گاڑی سے اُتر کر وہ ریڑھی والے کے پاس آیا۔

''السلام علیکم!'' شہر یار نے سامنے ریڑھی کے پاس لکڑی کے بینچ پر بیٹھے سرخ وسفید رنگت والے ادھیڑ عمر شخص کی جانب بڑھتے ہوئے کہا جس نے سر پر سفید جالی والی ٹوپی پہن رکھی تھی اور جس کی آدھی سفید، کالی داڑھی اُس کی قمیض کے کھلے بٹنوں تک کو چھو رہی تھی۔ شہر یار نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو اُس نے شہر یار کے سلام کا جواب دیا۔شہر یار نے اشارہ کیا نور محمد خان عطر فروش ''جی ہاں'' یہ ہمارا ہی نام ہے۔

''آپ تشریف رکھیں صاحب'' نور محمد خان نے جلدی سے لکڑی کے بینچ پر کپڑا پھیرا تو شہر یار اُس پر بیٹھ گیا۔شہر یار نے بیٹھتے ہی سامنے دیکھا۔ اب مشعل کی فاؤنڈیشن کا سارا منظر اُس کی نگاہوں کے سامنے واضح تھا۔ وہ اُسے فاؤنڈیشن سے نکل کر جاتے وقت آسانی سے دیکھ سکتا تھا جبکہ فاؤنڈیشن سے باہر اُس کی خاکستری رنگ کی آلٹو ابھی بھی کھڑی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر خوش تھا کہ وہ ابھی اندر ہی موجود تھی اور وہ اُس کے نکل کر جاتے وقت اُسے دیکھ پائے گا۔شہر یار کے خیالوں کا تسلسل اُس وقت ٹوٹا جب نور محمد خان نے اُس سے پوچھا:

''صاحب! آپ کون سا خوشبو پسند کریں گے'' شہر یار نے نور محمد خان کی بات سن کر ریڑھی پر نظر دوڑائی۔ مروا، چنبیلی، موتیا، یاسمین، رات کی رانی، گلاب، پیشن اور بہت سے نام چھوٹے چھوٹے گتے کے ٹکڑوں پر لکھ کر لگا رکھے تھے۔ شہر یار نے پیشن کہا تو نور محمد خان ایک ڈیڑھ انچ کی شیشی میں عطر انڈیلنے لگا۔شہر یار نے اُسے ایک ڈیڑھ انچ کی شیشی میں عطر انڈیلتے دیکھا تو سوچا کہ اس کے بعد اُس کا یہاں بیٹھے رہنے کا کیا مقصد ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ نور محمد خان سے بولا:

''خان ایسی پیشن کی ڈیڑھ سو عطر لگا دیں۔''

نور محمد خان نے یہ سنا تو دفعتاً حیرانگی سے شہر یار کی جانب دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر بولا:

''صاحب ہمارا پاس اس وقت پیشن کا اتنا عطر تو موجود نہیں ہے۔ اگر آپ کہے تو ساتھ دوسرا قسم کا

عطر لگا کر ہم ڈیڑھ سو شیشی تیار کرلے گا۔''

شہریار نے یہ سن کر ہاں میں سر ہلایا تو نور محمد خان عطر کی شیشیاں بھرنے میں مصروف ہو گیا۔شہریار کو وہاں نور محمد خان عطر فروش کی ریڑھی کے پاس نیم کے پیڑ کی گھنی چھاؤں تلے بیٹھے اب گھنٹہ ڈیڑھ بیت چکا تھا۔نور محمد خان کے پاس ایک طرف پڑی خالی شیشیوں کی تعداد اب کم ہی رہ گئی تھی۔ جبکہ دوسری جانب بھری ہوئی شیشیوں کی ایک ڈھیری سی لگ چکی تھی۔ دفعتاً شہریار کو سامنے مشعل کی جھلک دکھائی دی۔ وہ بے ساختہ اُٹھ کھڑا ہوا۔جبکہ نور محمد خان مسلسل خالی پڑی شیشیاں بھرنے میں مصروف تھا۔شہریار نے دیکھا مشعل چند افراد کے ساتھ فاؤنڈیشن کے بڑی آہنی دروازے سے باہر کھڑی تھی۔ مارچ کے اواخر میں چلنے والی مسلسل ہاؤں میں اُس کا آنچل سر سے اُڑا جا رہا تھا جسے وہ بار بار اپنے سر پر ٹکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نہ جانے اس طرف کھڑے شہریار کے دل پر اس وقت کیا بیت رہی تھی کہ بے اختیار اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔یقیناً یہ اتنے دنوں کے بعد مشعل کو دیکھ پانے کی خوشی تھی۔مشعل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو مدمقابل سیٹ پر اُس کے ساتھ ایک اور لڑکی بیٹھ گی جو کہ اُس کی فاؤنڈیشن ہی کی کوئی ورکر تھی۔ پھر وہ چلی گئی اور شہریار اُسے کھڑا اُس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ اُس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

''لو صاحب! ہم نے یہ ڈیڑھ سو شیشی بھر دیا ہے'' نور محمد خان نے کہا تو شہریار نے یوں چونک کر دیکھا جیسے وہ ابھی ابھی نور محمد خان کی بات سن کر خیالوں سے باہر آیا تھا۔

''کتنے پیسے ہوئے خان؟'' شہریار نے عطر سے بھرے بیگ کو دیکھے بغیر اپنا پرس جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔

''صاحب! آپ کا ہو گیا دو ہزار نوے روپیہ''

نور محمد خان نے کہا تو شہریار نے پانچ ہزار کا نوٹ اپنے پرس میں سے نکال کر نور محمد خان کے ہاتھ پر رکھا اور آگے بڑھ گیا۔

''ارے صاحب! یہ عطر تو لیتے جاؤ۔'' نور محمد خان نے پیچھے سے آواز دی۔

شہریار واپس مڑا ''اوہ...... میں بھول ہی گیا تھا۔''

اُس نے عطر والا بیگ اُٹھایا تو نور محمد خان پھر بولا ''صاحب یہ بقایا پیسہ لے لو''

''رکھ لو'' شہریار نے اُسے ہاتھ سے اشارتاً کہا اور پھر گاڑی لے کر وہ دھیرے دھیرے مشعل کی فاؤنڈیشن کے اُس آہنی دروازے کو دیکھتے ہوئے گزرنے لگا جہاں ابھی چند ساعت پہلے وہ کھڑی تھی۔ پھر اُس کی نظر پاس ہی رکھے عطر بیگ پر پڑی۔ اُسے بھلا ان کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ اُس کے پاس فرانس، اٹلی اور عرب ملکوں کے مہنگے کلون وارڈ روب میں بھرے پڑے تھے۔ کچھ آگے جا کر اُس نے عطر سے بھرے بیگ کو اُٹھا کر باہر ہوا میں اُچھال دیا تھا۔

اگلے روز وہ دفتر آ کر مصروف رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آج پھر وہ اُنھی اوقات میں دفتر سے نکل کر نور محمد خان عطر فروش کی ریڑھی کے پاس بیٹھ کر مشعل کو دیکھنا چاہتا تھا اور اگر وہ مصروف نہ رہتا تو اُس کا وقت گزارنا مشکل ہو جاتا لیکن آج جب وہ اُنہی اوقات میں نور محمد خان عطر فروش کی ریڑھی کے پاس پہنچا تو نظر دوڑانے پر اُسے نہ تو مشعل کی فاؤنڈیشن سے باہر اُس کی گاڑی دیکھائی دی اور نہ ہی گھنٹہ ڈیڑھ بیت جانے کے بعد وہ خود نظر آئی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج مایوس ہی واپس لوٹا لیکن آج پھر اُس نے جاتے جاتے عطر سے بھرا بیگ باہر ہوا میں اُچھال دیا تھا۔

تیسرے روز وہ پھر سے نور محمد خاں کے پاس موجود تھا لیکن آج وہ خوش تھا کیونکہ مشعل کی گاڑی فاؤنڈیشن سے آہنی دروازے سے باہر کھڑی تھی اور یہ مشعل کی اندر موجودگی کی سب سے بڑی نشانی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ اس کی گاڑی کو ہی دیکھ کر مسکرانے لگتا جیسے وہ گاڑی کو نہیں بلکہ اُسے ہی دیکھ رہا ہو۔ وقت گزارنے کے لیے اب وہ نور محمد خان سے اُس کے اس کاروبار کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ جبکہ نور محمد خان بھی اپنے اس امیر گاہک سے کافی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سب تفصیل سے بتا رہا تھا۔

''صاحب! وہ جو سامنے تنگ گلی نظر آ رہا ہے وہ ایک درگاہ میں جا نکلتا ہے۔ وہ جو بڑے بڑے درخت دکھائی دے رہا ہے وہ درگاہ کے صحن والا درخت ہی ہے۔ کبھی یہاں بہت کم آبادی ہوا کرتا تھا۔ درگاہ دور سے ہی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا اور لوگ دور دور سے یہاں آیا کرتا۔ ہمارا دادا کی بڑی سی عطر کی دکان ہوا کرتا تھا جس پر لوگوں کا بہت رش رہتا۔ پھر آبادی بڑھ گیا، درگاہ آبادی میں چھپ گیا اور

آہستہ آہستہ یہاں لوگوں کا آنا جانا بھی کم ہوگیا۔ یوں ہمارا دکان بھی سمٹتا چلا گیا۔ اب تو جمعرات کو بھی یہاں بہت کم زائرین آتا ہے۔ ایک چھوٹا سا میلہ صرف عرس کے دنوں میں ہی لگتا ہے۔ میرا دادا وفات پا گیا۔ ابا بھی فوت ہوگیا۔ یہ کاروبار اپنے دادا اور ابا کی وراثت ہے۔ اس لیے یہ کاروبار ہم ابھی تک چلا رہا ہے۔''

نور محمد خان اپنی ہی دُھن میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ جب عین اُسی وقت نور محمد خان سے ملتی جلتی شکل کا ایک اور شخص ان کے پاس آیا جو عمر میں نور محمد خان سے کم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ نور محمد خان اور شہر یار سے مصافحہ کرنے کے بعد پاس ہی بینچ پر بیٹھ گیا۔ نور محمد خان نے شہر یار کو اس کا تعارف کروایا۔

''صاحب! یہ ہمارا چھوٹا بھائی زمرد خان ہے۔ اور زمرد خان یہ صاحب بہت اچھا آدمی ہے۔ یہ روز ہم سے ڈیڑھ سو شیشی عطر لے کر جاتا ہے۔''

زمرد خان، نور محمد خان کی یہ بات سن کر شہر یار کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔ پھر وہ بھی نور محمد خان کے ساتھ خالی شیشیاں بھرنے لگا۔ زمرد خان نے آنکھوں میں بہت سا سرمہ لگا رکھا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے وہ کن اکھیوں سے بار بار شہر یار کو بغور دیکھتا رہا۔ اُس کی نگاہیں شہر یار پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔ جب سامنے فاؤنڈیشن کے آہنی دروازے سے مشعل کے نکلتے ہی شہر یار بے ساختہ اُٹھ کھڑا ہوا اور بے تابی سے وہ مشعل کی جانب دیکھنے لگا۔ نور محمد خان تو اپنے کام میں مصروف تھا لیکن زمرد خان کبھی شہر یار کی جانب تو کبھی اُس کی تعاقب کرتی نگاہوں کو دیکھتے ہوئے سڑک کے اُس پار کھڑی مشعل کو دیکھنے لگتا۔ شہر یار کا رخ کچھ اس طرح سے فاؤنڈیشن کی طرف تھا کہ یہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا کہ وہ سامنے فاؤنڈیشن کے دروازے پر کھڑے لوگوں کو ہی دیکھ رہا تھا۔ زمرد خان نے عطر شہر یار کی جانب بڑھایا اور ساتھ ہی وہ اُسے گھورتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ مشعل اب جا چکی تھی۔ شہر یار نے عطر والا بیگ لے کر پیسے زمرد خان کو دیے اور پھر گاڑی لے کر جب وہ اس علاقے سے نکل رہا تھا تو حسب معمول اس نے عطر سے بھرا پلاسٹک بیگ ونڈ اسکرین سے باہر اُچھال دیا تھا۔

چوتھے روز جب شہر یار نور محمد خان کے پاس آ کر بیٹھا تو زمرد خان آج وہاں پہلے سے ہی موجود تھا لیکن آج نور محمد خان اور زمرد خان دونوں ہی مشکوک نگاہوں سے شہر یار کو دیکھ رہے تھے۔ جنھیں اُس

نے محسوس نہیں کیا۔شہر یار کے کہے بغیر ہی نور محمد خان اور زمرد خان خالی شیشیاں بھرنے لگے۔ساتھ ساتھ ہی زمرد خاں سرمے سے بھری بڑی بڑی آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے نور محمد خان کو اشارے بھی کرتا رہا۔دراصل جب کل شہر یار نے جاتے وقت عطر باہر پھینکا تھا تو اتفاق سے شہر یار کے جانے کے بعد زمرد خان کا اُسی راستے پر پیدل گزر ہوا۔تب اُسے وہ عطر والا بیگ مل گیا تھا جسے لا کر اُس نے نور محمد خان کو دکھایا اور ساتھ ہی نور محمد خان کو چپ رہنے کا مشورہ بھی دیا۔یوں وہ آج سے شہر یار کی نگرانی کر رہے تھے کہ یہ صاحب کس مقصد کے تحت یہ سب کر رہا ہے۔آج پھر مشعل کے فاؤنڈیشن کے دروازے سے نکلتے ہی جیسے ہی شہر یار کی اُس پر نظر پڑی وہ بے ساختہ اُٹھ کھڑا ہوا اور بے تابی سے اُسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کی کوئی کھوئی ہوئی چیز ہو۔زمرد خان نے بھی نور محمد خان کی نظر شہر یار کی جانب مبذول کروائی۔اب وہ اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کبھی سامنے فاؤنڈیشن کے دروازے پر کھڑی مشعل کو دیکھنے لگتا تو کبھی شہر یار کی اضطرابی کیفیت پڑھنے لگا۔مشعل چلی گئی۔شہر یار نے عطر لیا پیسے ادا کیے لیکن اُس کے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ہی زمرد خان غائب ہو چکا تھا۔شہر یار نے گاڑی آگے بڑھا دی اور معمول کے مطابق آج پھر عطر سے بھرا بیگ گاڑی سے باہر ہوا میں اُچھال دیا لیکن یہ سب آج زمرد خان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔اُس نے آگے بڑھ کر عطر والا بیگ اُٹھایا اور اُسے لے کر نور محمد خان کے پاس آ گیا۔

''نور محمد! آج تو تمہیں یقین آ گیا ناں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔''

زمرد خان نے نور محمد خاں کے پاس آ کر اُسے عطر والا بیگ دکھاتے ہوئے کہا۔نور محمد خان نے زمرد خان کے ہاتھ سے عطر والا بیگ لیا اور پھر سوچتے ہوئے بولا:

''میاں! تم ٹھیک کہتا ہے لیکن میں سوچتا ہوں یہ صاحب ہمارا مشعل بی بی کی طرف کیوں دیکھتا ہے؟''

نور محمد خان کی بات سن کر زمرد خان بولا ''ہمارا مشعل بی بی تو فرشتہ ہے۔فرشتہ کس طرح وہ ہم غریب لوگوں کے لیے دوا دارو کرتا رہتا ہے اُس کی عزت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے نور محمد''

''تم ٹھیک کہتا ہے۔زمرد خان کل آ لینے دو اس صاحب کو تم شیشیاں بھرنا ہم مشعل بی بی کے دفتر جا کر اُسے آگاہ کرے گا۔''

''ٹھیک کہا نور محمد یہ طریقہ اچھا ہے۔'' زمرد خان نے اپنی سرمے سے بھری بڑی بڑی آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے کہا۔

باب16

شہر یار غوری نے جب سے مشعل کی فاؤنڈیشن کو پچاس لاکھ روپے عطیہ کیے تھے وہ ہر روز سوچتی کہ وہ کسی دن شہر یار کو کال کر کے اپنے گھر کھانے پر مدعو کرے گی اور ساتھ ہی اُس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی تقریب صرف اُسی کے لیے خصوصی طور پر منعقد کرے گی۔ آج وہ اپنے دفتر میں بیٹھی بار بار اسی ارادے سے اپنا فون اُٹھاتی تاکہ وہ شہر یار کو کال کر کے رات کے کھانے پر مدعو کر سکے لیکن نہ جانے کیوں شہر یار کا خیال آتے ہی اس کے دماغ میں عجیب سی اتھل پتھل ہونے لگتی اور پھر اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ بس یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک اُسے گھر کھانے پر مدعو نہیں کر سکی تھی۔ دفعتاً ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

''بی بی جی! باہر نور محمد خان عطر فروش آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' ملازم نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

مشعل نے یہ سنا تو پوچھا ''اُس کی بیگم بھی ساتھ ہی ہے؟''

''نہیں بی بی جی آج تو وہ اکیلا ہی آیا ہے۔''

''اچھا بھیج دو اُسے''، مشعل نے کہا تو یہ ٹھیک وہی وقت تھا جب شہر یار بھی نور محمد خان عطر فروش کی ریڑھی کے پاس ہی موجود تھا اور زمرد خان اُس کے پاس بیٹھا عطر کی شیشیاں بھرتے ہوئے اسی انتظار

میں تھا کہ نور محمد خان مشعل بی بی کو جا کر سب بتا دے۔

نور محمد خاں اندر داخل ہوا تو مشعل نے اُس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اُس سے اُس کی بیوی اور بچے کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔

''بی بی جی اللہ آپ کا عمر دراز کرے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' یہ کہہ کر نور محمد خان خاموش ہو گیا۔

اُسے کچھ دیر خاموش دیکھ کر مشعل نے پوچھا ''کیا بات ہے خان خیریت ہے ناں سب؟''

''ہاں ہاں...... بی بی جی سب خیر ہے۔ آپ ہمارے غریبوں کا سنتا ہے۔ اللہ آپ کا خیر کرے۔ بی بی جی! آپ کو ایک بات بتانا تھا۔''

''ہاں بولو خان'' مشعل نے نور محمد خان کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

نور محمد خان نے کچھ جھجکتے ہوئے بات شروع کی ''بی بی جی! کئی روز سے ایک صاحب ہمارا پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے اور جب آپ دروازے سے باہر نکلتا ہے تو وہ اُٹھ کر آپ کو تب تک دیکھتا رہتا ہے جب تک آپ کا گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا اور وہ ایسا پچھلے کئی روز سے کرتا آ رہا ہے۔''

نور محمد خان نے مشعل کو یہ بھی بتا دیا کہ وہ شخص خریدا ہوا عطر بھی راستے میں ہی پھینک کر چلا جاتا ہے جسے سن کر مشعل کو بھی عجیب لگا کہ بھلا ایسا کوئی کیوں کرے گا۔

''خان! کیا وہ آج بھی وہاں موجود ہے؟'' مشعل نے پوچھا۔

''ہاں...... ہاں بی بی ہم آپ کو یہی بتانے آیا ہے کہ وہ آج بھی ہمارا ریڑھی کے پاس موجود ہے۔ بی بی جی! ہم تو اُسے خود ہی ٹھکانے لگا دیتا پھر سوچا پہلے آپ کو بتانا ضروری ہے۔''

نور محمد خان کی بات سن کر مشعل فوراً بولی ''ارے نہیں، نہیں ایسا ابھی کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

پھر اُٹھتے ہوئے اس نے نور محمد کا شکریہ ادا کیا اور اُس کے کمرے سے نکلتے ہی وہ اپنے کمرے میں لگی اُس کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی جہاں سے پردہ ہٹاتے ہی اُسے سڑک کے اس پار بیٹھا وہ شخص دکھائی دیتا جو کہ نور محمد خان کے بقول روز اُسے سامنے کھڑا دیکھتا رہتا تھا۔ مشعل نے پردہ ہٹایا۔ پھر اُسے جیسے اپنی بصارت پر یقین ہی نہیں آیا۔

''شہر یار غوری......لیکن کیوں......وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟'' بہت سے سوال اُس کے ذہن میں ایک ساتھ اُٹھ رہے تھے۔ بہت سی گرہیں اُس کے ذہن میں کھلتی جا رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ شہر یار غوری کا بلند و بالا مقام جو اُس کی نظروں میں تھا اب یوں ایک ہی پل میں خاک میں مل گیا تھا۔

وہ کچھ دیر پریشانی کے عالم میں ٹہلتی تو پھر سے پردہ ہٹا کر اُسے دیکھنے لگتی۔ ایسا وہ کئی بار کر چکی تھی جیسے وہ ابھی بھی کسی تذبذب کا شکار تھی لیکن اب کسی بھی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں بچی تھی۔ سامنے موجود شخص کوئی اور نہیں بلکہ شہر یار غوری ہی تھا۔ اب جو وہ سوچ رہی تھی اُسے سوچ سوچ کر اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ کسی سے بھی کچھ کہے بغیر باہر نکلی تو شہر یار اُسے فاؤنڈیشن کے آہنی دروازے سے باہر نکلتے دیکھ کر فوراً اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا جیسا وہ معمول کے مطابق کرتا تھا۔ مشعل نے اپنی گاڑی کے پاس پہنچ کر شہر یار کی جانب دیکھا۔ وہ مسلسل اُسے ہی دیکھ رہا تھا لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ اس بات سے انجان تھا کہ مشعل بھی اُسے دیکھ چکی ہے۔ وہ غصے کی حالت میں گاڑی لے کر گھر پہنچی اور سیدھی اپنے کمرے میں آ کر دیر تک روتی رہی۔

''یا اللہ! اب میں اتنی بڑی رقم اُسے کیسے لوٹاؤں گی؟'' وہ روتے ہوئے خود سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ صرف مجھے متاثر کرنے کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔ شہر یار غوری میں زندگی بھر تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ یوں بھرے بازار میں کھڑے تم میری عزت کو نیلام کرتے پھرو گے اور میں یوں چپ بیٹھی رہوں گی۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ تمہیں جواب دینا پڑے گا۔ ہاں اُسے جواب دینا ہوگا۔''

اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے پر بہتے آنسو صاف کیے اور پھر اپنے موبائل سے شہر یار کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''مسٹر شہر یار! آج رات میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں''

شہر یار کے کال ریسیو کرتے ہی مشعل نے کسی بھی قسم کی علیک سلیک کے بغیر ہی بات شروع کی۔ اب وہ اُسے جگہ بتا رہی تھی جہاں وہ آج رات اُس سے ملنا چاہتی تھی۔ پھر اُس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ شہر یار ضرور آئے گا۔ اب وہ بے صبری سے رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ عشاء کی

نماز ادا کرنے کے بعد وہ گھر میں کسی ضروری کام کا بہانہ لگا کر گاڑی لے کر مطلوبہ جگہ وقت سے بھی پہلے پہنچ گئی۔ یہ ایک اوسط درجے کا ریستوران تھا جس کے سامنے پھیلے بڑے سے لان کے ایک کونے والی میز کے ساتھ لگی کرسی پر بیٹھی مشعل اب بے چینی سے کئی بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھ چکی تھی۔ شہر یار ہاتھوں میں پھولوں کا بوکے اُٹھائے خوبصورت سوٹ میں ملبوس اُس کے قریب آیا تو مشعل ایک دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔ شہر یار نے قریب آتے ہی پھولوں کا بوکے بالکل اُس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ یہ دیکھ کر تیزی سے اُٹھی۔ اُس نے ایک ساعت کے لیے اُسے سر سے پاؤں تک گھورا اور پھر بولی:

''بہت گھمنڈ ہے ناں تمہیں اپنے پیسے پر لوٹا دوں گی تمہاری دی پائی، پائی۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

شہر یار یہ سن کر جیسے چونکا۔ اب وہ حقارت سے اُسے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''ارے نہیں نہیں...... میں تو بھول ہی گئی تھی۔ تم تو مجھ پہ مرتے ہو۔ میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب رہتے ہو۔ بھلا تم مجھ سے پیسے واپس کیوں لو گے۔''

اب وہ طنز کے تیر برسا رہی تھی۔ شہر یار کچھ سمجھ نہیں پایا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

''شہر یار غوری! تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تم یوں بھرے بازار میں میری عزت کو نیلام کرتے پھر رہے ہو۔'' وہ غصے سے گرجتے ہوئے بولی۔

اس ایک جملے نے اُس پر ساری حقیقتیں آشکار کر دی تھیں۔ وہ جان گیا تھا کہ مشعل اُس کی فاؤنڈیشن سے باہر موجودگی سے باخبر ہو چکی تھی۔

''تم اپنے پیسے سے مجھے متاثر کرنا چاہتے تھے۔ مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تم مجھے کبھی حاصل نہیں کر سکتے، کبھی نہیں۔ اگر مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے تو اپنے ماں باپ کو میرے گھر بھیج سکتے تھے۔ یوں میری عزت اُچھالنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اب وہ رو رہی تھی۔

''ہاں ہاں ہاں...... میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا اور چاہتا ہوں۔''

شہر یار کی گرج دار آواز سن کر وہ خاموش ہو گئی اور حیرانگی سے پھیلتی آنکھوں کے ساتھ شہر یار کی جانب دیکھنے لگی۔

''لیکن میں جان گیا ہوں کہ میں غلط تھا۔تم تو وہ ہو ہی نہیں جسے میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہاں میں مانتا ہوں میں نے جرمِ عشق جیسی کوئی بھول کی تھی لیکن تمہیں متاثر کرنے کی غرض سے پیسہ نہیں دیا تھا۔''

شہر یار جیسے اب روہانسا ہو رہا تھا۔

''وہ پیسہ میں نے اپنے پپا کے کہنے پر تمہاری فاؤنڈیشن کو ڈونیٹ کیا تھا اور بھلا میں تمہیں کیا متاثر کروں گا۔ میں تو خود تم سے متاثر ہو چکا تھا۔ تمہاری شخصیت سے، تمہارے کام سے، لیکن نہیں میں غلط تھا۔اب میں تمہارے راستے میں کبھی نہیں آؤں گا۔''

وہ یہ کہہ کر لان کی سبز گھاس پر تیز تیز قدم بھرتا واپس چلا گیا۔ جبکہ مشعل اپنے سر کو تھامے وہیں کرسی پر بیٹھی روتی رہی۔

باب17

شہر یار کے لیے اُس کا خوابوں کا جہاں ہی سب کچھ تھا جس کے سہارے وہ اب تک جیتا آ رہا تھا۔ خواب ہی صحیح لیکن وہ خوبصورت خواب کسی کے وجود سے آباد تو تھے لیکن اب وہ خوابوں کا جہاں بھی ویران ہو چکا تھا یا فقط یوں کہہ لیں اُجڑ ہی گیا تھا۔ وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لٹا پھٹا گھر واپس آیا اور سیدھا اپنے کمرے میں آ کر سراپا ماتم بنا بیٹھا تھا۔ اب بھی کمرے میں تنہائی تھی۔ ملگجا سا چھایا ہوا تھا لیکن اس ملگجے اور تنہائی میں اب گلابی یادیں نہیں بلکہ ببول کے کانٹے تھے جو اُس کے دل میں پیوست ہو کر حلق تک اُبھر آئے تھے۔

لیکن نہ جانے کہاں سے ایک آواز اب بھی اُٹھ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ دل مجروح ضرور ہوا تھا لیکن یاس کے اندھیرے ابھی اتنے گہرے نہیں تھے کہ اُمید باقی نہ رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایک آواز ٹھہر ٹھہر کر اُبھرتی۔

ہاں تو مسٹر شہر یار! اُس نے بھی کیا غلط کیا ہے۔ وہ تو اپنی جگہ صحیح تھی۔ یوں بھلا سرِ بازار اُس کی عزت کو اُچھالنا کہاں کا عشق ٹھہرا۔ بھول تھی۔ مسٹر شہر یار تمہاری بھول تھی جو تم سے سرزد ہوئی اور اب تم اُس کا کفارہ بھی ادا کرو گے لیکن کفارہ کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ تم اپنے ماں باپ کو اُس کے گھر رشتہ لینے بھیجو گے۔ یہی تمہاری محبت کی سچائی اور اُس کی رُسوائی کا کفارہ ہو گا لیکن میں تو اُسے بول کر آیا

ہوں کہ اب میں اُس کی راہ میں کبھی نہیں آ ؤں گا۔ دلوں کے بندھن یوں پل بھر میں ٹوٹا نہیں کرتے۔ مسٹر شہر یار! ہاں دلوں کے بندھن یوں پل بھر میں کیسے ٹوٹ سکتے ہیں۔ میں اپنے مما، پپا کو مشعل کے گھر ضرور بھیجوں گا۔ اگلے دو روز تک وہ اسی کشمکش میں مبتلا رہا کہ وہ اپنے مما، پپا کو اس بات سے کیسے آگاہ کرے۔ پھر اللہ نے اُس کی یہ مشکل آسان کر دی۔ ایک روز شہر یار کی مما صالحہ بیگم اُس کے پاس آئی۔ شہر یار کی بڑھی ہوئی شیو اور اُس کے حلیے سے ہی اُس کی حالت عیاں ہو رہی تھی۔ صالحہ بیگم نے اُس کی ایسی حالت دیکھی تو اُسے پھر سے ٹٹولا۔

''شہری بیٹا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟''

''مما میں اُسے بہت چاہتا ہوں۔'' شہر یار نے یہ کہتے ہوئے اپنا سر اپنی مما کی گود میں رکھ دیا۔

صالحہ بیگم نے پیار سے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''کسے چاہتے ہو بیٹا مجھے بتاؤ۔''

''مما آپ اُسے جانتی ہیں''

شہر یار نے یہ کہتے ہوئے اپنی مما کی گود میں رکھے سر کو اُٹھایا اور پھر بولا:

''مما وہ مشعل بشیر ہے۔''

''ارے ہاں وہ مشعل'' صالحہ بیگم نے مسکراتے ہوئے شہر یار کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا:

''وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے اور تمہارے پپا کو تو وہ دیکھتے ہی پسند آ گئی تھی لیکن بیٹا مجھے آپ سے ایک شکایت ہے۔ آپ نے مجھے بتانے میں اتنی دیر کیوں کی؟''

صالحہ بیگم کی بات سن کر شہر یار بولا ''سوری مما...... لیکن اب بتا دیا ہے تو پلیز آپ کل ہی پپا کے ساتھ اُس کے گھر جائیں''

صالحہ بیگم شہر یار کی یہ بات سن کر پھر سے مسکراتے ہوئے بولی:

''ہم آج ہی جائیں گے بیٹا آپ کے پپا آ چکے ہیں اور ایسے کام رات کی تاریکی میں ہی چپکے چپکے طے پاتے ہیں۔''

صالحہ بیگم نے یہ کہتے ہوئے ممتا بھری تھپکی شہریار کے لال پیلے ہوتے چہرے پر لگائی اور پھر اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی جہاں موجود سفیان غوری کو جب یہ بات پتہ چلی تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

''بھئی! یہ ہمارا برخوردار ہے کہاں؟'' سفیان غوری نے خوش ہوتے ہوئے صالحہ بیگم سے کہا۔

''آپ اپنے برخوردار کی خوشی چاہتے ہیں تو فوراً اُٹھیے۔ ہم اسی وقت عدنان بشیر کے گھر اُن کی صاحبزادی کا ہاتھ مانگنے چلیں گے۔''

سفیان غوری نے صالحہ بیگم کی اس بات پر کوئی اعتراض ظاہر نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ ہی دیر بعد سفیان غوری، صالحہ بیگم اور شہریار میٹھے میٹھے قہقہے لگاتے ہوئے باہر کار پورچ میں آئے۔ تب تک ڈرائیور اپنی سیٹ سنبھال چکا تھا۔

''لو میاں! اب ہم چلتے ہیں۔''

سفیان غوری نے شہریار سے کہا تو وہ خوشی سے اُن سے بغل گیر ہو گیا۔ تب صالحہ بیگم نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے آواز دی۔

''یہ لاڈ پیار ہوتے رہیں گے اب چلیے بھی''

سفیان گاڑی کی جانب بڑھے۔ شہریار نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ ہلایا اور پھر گاڑی گھر کے بیرونی دروازے سے نکل کر مشعل کے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں کھڑا جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھتا رہا۔ اگلی چند گھڑیاں اُس کی زندگی کے لیے بے حد قیمتی تھیں۔ اُس نے ایک گہرا سانس لیا جیسے وہ آنے والے وقت کے لیے خود میں ہمت پیدا کر رہا تھا۔ اس وقت اُس کی حالت اُس طالب علم جیسی ہو رہی تھی جسے اپنے امتحان کے نتائج کا علم نہ ہو کہ وہ پاس ہو گا یا فیل۔

باب18

صالحہ بیگم اور سفیان غوری مشعل کے گھر پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ وہ اطلاع دیے بغیر ہی پہنچے تھے لیکن سبھی لوگ گھر پر ہی موجود تھے۔ ملازم نے اُنھیں ڈرائینگ روم میں بٹھایا تو تھوڑی دیر بعد ہی عدنان بشیر آ کر بڑی گرم جوشی سے ملے۔

''بھائی صاحب! آپ نے آنے سے پہلے بتا دیا ہوتا ہم کھانے کا انتظام کر دیتے۔''

عدنان بشیر کی بات سن کر سفیان غوری مسکراتے ہوئے بولے:

''ہم کھانا کھانے بھی ضرور آئیں گے لیکن اگلی بار صحیح۔''

اُنھوں نے صالحہ بیگم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب! فاطمہ بی دکھائی نہیں دے رہیں۔''

صالحہ بیگم نے کہا تو اتنے میں فاطمہ بی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''بھئی! بڑی لمبی عمر ہوگی آپ کی۔''

سفیان غوری یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو صالحہ بیگم بھی آگے بڑھ کر گرم جوشی سے فاطمہ بی سے ملیں۔ کچھ دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر سفیان غوری اور صالحہ بیگم نے اپنی تشریف آوری کی وجہ بیان کی جسے سننے کے بعد عدنان بشیر اور فاطمہ بی کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر عدنان بشیر بولے:

''بھائی صاحب آپ تو جانتے ہیں۔ آج کا وقت اور ہے۔ ہم بچوں پر اپنی مرضی نہیں تھوپ سکتے۔''

عدنان بشیر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سفیان غوری بولے''بڑی اچھی بات کی آپ نے۔ آپ مشعل بیٹی سے رائے ضرور لیں لیکن ہم آج ہی فیصلہ سن کر جائیں گے۔''

سفیان غوری کی بات سن کر عدنان بشیر نے فاطمہ بی کی جانب یوں دیکھا کہ وہ اُٹھ کر اندر چلی گئی۔

عدنان بشیر جانتے تھے کہ مشعل کے لیے اس گھرانے سے اچھا رشتہ اور کوئی نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی اُنھوں نے فوری حامی بھرنے کی بجائے اپنی بیٹی کی مرضی جاننا ضروری سمجھا تھا۔ فاطمہ بی مشعل کے کمرے میں داخل ہوئیں جو کہ ابھی تک اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ اُس کے گھر ڈرائینگ روم میں آج اُس کی شادی کی بات چل رہی تھی اور وہ بھی شہر یار غوری سے۔

''مشعل! تمہارے رشتے کے سلسلے میں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔''

فاطمہ بی نے مشعل کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا جو کہ بہت سی فائلیں کھولے کام میں مصروف تھی۔

''کیا......؟ میرے رشتے کے لیے۔ کون لوگ ہیں فاطمہ بی؟''

مشعل نے کہا تو فاطمہ بی نے جواب دیا''شہر یار کے والدین آئے ہوئے ہیں۔''

''کیا......؟''

مشعل کے منہ سے بے ساختہ نکلا جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا تھا۔ بھلا یقین آتا بھی کیسے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ چند دن پہلے جو اُس کے اور شہر یار کے بیچ ہوا تھا اب اُس کے نتیجے میں ایسا ممکن نہ تھا۔ چونکہ فاطمہ بی مشعل کی زندگی میں گزرے پچھلے چند دنوں کے واقعات سے بے خبر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مشعل کی حیرانگی کو زیادہ محسوس نہیں کر پائی۔

''مشعل! میں سمجھتی ہوں اس سے بہتر رشتہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ تو پھر ہاں بول دیں۔''

فاطمہ بی نے مشعل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ جو کہ ابھی بھی جیسے حیران بیٹھی تھی۔ فاطمہ بی کی بات سن کر وہ چونکی۔

''نہیں نہیں فاطمہ بی! اتنی جلدی...... مجھے کچھ وقت تو دیں۔''

''بہت وقت تمہیں دے چکے۔''مشعل کی بات سن کر فاطمہ بی کچھ خفا ہو کر اُٹھی۔ بس آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس۔ اچھی طرح سے سوچو میں آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر فاطمہ بی کمرے سے چلی گئی۔ فاطمہ بی کے کمرے سے جاتے ہی مشعل کے ذہن میں سوال پہ سوال اُٹھ رہے تھے جن کے جواب بھی وہ خود ہی دے رہی تھی۔

''وہ تو بول کے گیا تھا کہ اب وہ میری راہ میں کبھی نہیں آئے گا۔ پھر یہ سب کہیں وہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے تو یہ سب نہیں کر رہا لیکن یہ میری زندگی ہے۔ ہاں یا نہ کا فیصلہ مجھے کرنا ہے۔ میں ہاں بولوں گی تو پھر کچھ ہوگا ناں''

پھر اُسے اپنے اندر سے ایک آواز سنائی دی۔''مشعل اور کتنی خود غرض بنو گی؟ تم نے بھی تو اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک روا نہیں رکھا۔ کتنی بے عزتی کی تھی۔ اگر اُس نے صاف صاف اپنے دل کی بات تمہارے سامنے کھول کر رکھ دی تو کیا برا کیا۔ وہ تمہیں واقعی چاہتا ہے اور اب وہ اپنے ماں باپ کو بھی تمہارے گھر رشتے کے لیے بھیج چکا ہے۔ اُس نے تو یوں وہ بات بھی پوری کر دی جو تمہاری زبان سے اُس کی بے عزتی کرتے ہوئے انجانے میں نکل گئی تھی۔''

اب اُس کے ذہن میں شہریار کی کہی وہ باتیں گونج رہی تھیں جو کہ چند دن پہلے دونوں کے بیچ ہونے والی تلخ کلامی کے نتیجے میں ہوئی تھیں۔

''میں تمہیں متاثر کرنا چاہتا تھا۔ میں تو خود تم سے متاثر تھا۔ تمہاری شخصیت سے، تمہارے کام سے۔ وہ پیسہ میں نے تمہیں متاثر کرنے کے لیے نہیں دیا تھا بلکہ اپنے پپا کے کہنے پر دیا تھا۔''

اُس کا کمرہ اس وقت باز گشت بنا ہوا تھا۔ دفعتاً فاطمہ بی کمرے میں داخل ہوئی۔

''تو کیا سوچا تم نے مشعل؟''اُنھوں نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

''ہاں''وہ حیرانگی سے مڑی۔

''میری بچی''فاطمہ بی مشعل سے لپٹ گئی۔

لیکن اُس نے کب ہاں کی تھی۔ وہ پھر سے خیالوں کے گھیراؤ میں تھی۔

''اگر ہاں تمہارے منہ سے نکل ہی گئی ہے مشعل تو اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے؟''
وہ موم کی مورت بنی کھڑی رہ گئی۔ جبکہ فاطمہ بی یہ خوشخبری سنانے کے لیے ڈرائنگ روم تک پہنچ چکی تھی۔

''مبارک ہو۔ آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو'' دونوں جانب سے ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی گئی اور منہ میٹھا کیا گیا۔

''اب ہم جلد سے جلد منگنی کے لیے تشریف لائیں گے۔'' صالحہ بیگم نے کہا تو فاطمہ بی بولی:

''کیوں نہیں۔ اب مشعل آپ کی بھی تو بیٹی ہے۔'' تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد سفیان غوری اور صالحہ بیگم نے سب سے اجازت لی اور اب وہ اپنے ساتھ خوشخبری سمیٹ کر گھر واپس لوٹ رہے تھے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے جب انہوں نے شہریار کو کال کر کے اس خوشخبری سے آگاہ کر دیا تھا جو کہ اس وقت اس خبر کا بے صبری سے انتظار کرتے ہوئے اپنے گھر کی چھت پر موجود تھا۔ یہ خوشخبری سن کر اُس نے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلائے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اُس کا خواب یوں بھی حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ اب وہ یوں کھڑا تھا جیسے وہ کسی کو پاس نہ پا کر اتنی بڑی خوش خبری بانٹنے کے لیے ہوا سے ہی گلے مل رہا ہو۔ آج دوپہر کے بعد سے ہی آسمان پر بادل اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے اور اب رات کے اس پہلے پہر آسمان بادلوں سے ڈھک چکا تھا اور ساتھ ہی تیز تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ جیسے کچھ ہی دیر بعد بارش ہونے والی تھی۔ دفعتاً ہی اُس کے موبائل پر پھر سے کال آنے لگی۔ اسے لگا اُس کے مما پپا گھر پہنچ گئے ہوں گے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس کے موبائل پر ماہ نور کی کال آ رہی تھی۔ مشعل کے نمبر کو اُس نے ماہ نور کے نام سے سیو کر رکھا تھا۔ وہ کافی دیر تک موبائل کی سکرین پر اُبھرتے اس نام ماہ نور کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کال ریسیو کر لی۔

''میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے اپنے ماں باپ کو میرے گھر کیوں بھیجا؟''
مشعل نے شہریار کے کال ریسیو کرتے ہی سوال کیا۔

''اور میں نے کہا تھا کہ اب میں دوبارہ تمہاری راہ میں کبھی نہیں آؤں گا۔ آئی ایم رئیلی سوری مشعل

اگر تمہیں کبھی میری کوئی بات بری لگی ہو۔'' شہریار کہہ رہا تھا جبکہ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔

وہ اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بولا'' جہاں تک اپنے مما پپا کو تمہارے گھر بھیجنے کا تعلق ہے تو اس کا جواب تو تمہاری ہاں میں ہی پوشیدہ ہے۔تم نے بھی تو مجھ سے جھگڑا کیا تھا۔ پھر ہاں کیوں کر دی؟''

شہریار کا سوال سننے کے باوجود دوسری جانب خاموشی رہی۔خاموشی پا کر شہریار بول رہا تھا۔

''اُس رات جب میں تم سے لڑ جھگڑ کر واپس گھر لوٹا تو یقین مانو یوں لگا میری دُنیا ہی اُجڑ گئی۔تم نے تو اپنی نفرت ظاہر کر دی لیکن یہ بھی نہیں سوچا میرے دل پہ کیا بیتے گی۔ پھر مجھے تمہاری وہ بات یاد آئی۔تم نے کہا تھا کہ اگر میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں تو اپنے مما پپا کو تمہارے گھر بھیجتا اور میں نے ایسا ہی کیا۔اس بات کی پرواکیے بغیر کہ تم انکار کر دو گی تو پھر کیا ہوگا۔''

دوسری جانب اب بھی خاموشی تھی جسے محسوس کرتے ہوئے شہریار بھی خاموش ہو چکا تھا۔ پھر ایک دبی دبی سی روہانسی آواز سنائی دی۔

''شہریار......آئی ایم ویری سوری۔تمہیں سمجھنے میں مجھ سے بھول ہوئی۔''

''نہیں نہیں مشعل! بلکہ میں کہوں گا میں ہی تمہارا احسان مند ہوں۔''

شہریار بھی یہ کہتے ہوئے جیسے کچھ جذباتی سا ہو گیا تھا۔پھر وہ چہکتے ہوئے بولا:

''تمہیں پتہ ہے میں اسلام آباد یوں اچانک سے نہیں پہنچا تھا بلکہ صرف تمہارے لیے گیا تھا اور تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں تمہاری فاؤنڈیشن سے باہر کھڑا رہتا اور تم جانتی ہو میں نے تمہارا ایک پورٹریٹ بھی بنا رکھا ہے جو میں تمہیں کسی خاص موقع پر گفٹ کروں گا۔''

وہ بے حد خوش لگ رہا تھا۔اتنے میں بارش برسنے لگی۔وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولا:

''مشعل! بارش ہو رہی ہے۔''

آج کتنے ہی مہینوں بعد آسمان بھی یوں کھل کے برس رہا تھا۔شہریار کی بات سن کر مشعل بولی:

''ہاں جانتی ہوں اس وقت میں چھت پہ ہی ہوں۔''

مشعل نے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔وہ اس وقت بارش سے بچنے کے لیے شیڈ کے نیچے کھڑی تھی۔

پانی کی ٹھنڈی بوندوں سے بھیگتا ہوا ہاتھ اور زندگی اُسے آج نئے احساسات سے آشنا کروا رہی تھی۔
ایک نیا باب شروع ہو چکا تھا۔محبت کا روشن باب۔

باب19

عدنان بشیر کا خوبصورت بنگلہ آج دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔کیونکہ آج اُن کی صاحبزادی مشعل بشیر کی منگنی کی تقریب ہونے جا رہی تھی۔گھر کی عمارت کے سامنے پھیلے وسیع لان میں ہی اسٹیج سجا کر مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے کرسیاں اور میز لگا دیے گئے تھے۔تازہ پھولوں سے سجے اسٹیج اور بہار کا موسم ہونے کی وجہ سے ہر سو فضا میں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو رچی بسی ہوئی تھی۔

عدنان بشیر کو اپنی صاحبزادی پر پہلے ہی بہت ناز تھا۔اب شہر کے ایک متمول گھرانے میں اُس کا رشتہ طے ہونے پر جیسے اُن کا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔وہ سب لوگوں کو بڑے فخر سے بتاتے کہ اُن کی صاحبزادی کی منگنی سفیان غوری کے اکلوتے صاحبزادے شہریار غوری سے ہونے جا رہی ہے۔یہی وجہ تھی کہ انھوں نے منگنی کی اس تقریب پر اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ ساتھ اپنے بہت سے دوستوں کو بھی دعوت دے رکھی تھی۔مغرب کے بعد سے ہی گھر پر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔مشعل کی بڑی بہن صنم اور بہنوئی عبید احمد تو چند دن پہلے سے ہی آ چکے تھے۔مشعل اب تیار ہونے کے لیے پارلر جا چکی تھی۔جبکہ صنم اور فاطمہ بی ہی سب مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

''صنم! یہ کیا جادو ہو گیا؟ تمہارے چہرے پر موجود پھلبہری کے نشان غائب کیسے ہو گئے؟''

صنم کی ایک رشتہ دار خاتون نے اُس کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ وہ جواب میں فقط مسکا دی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ وہ دو ڈھائی ماہ سے ادویات استعمال کر رہی تھی جس کے نتیجے میں اُس کے پھلبہری کے نشان مٹ رہے تھے جنھیں ہلکے سے میک اپ کے ساتھ اُس نے بالکل چھپا لیا تھا۔ وہ خوش تھی کہ اس نے اب جو ادویات کا کورس چنا تھا اُس سے اس مرض میں افاقہ ہو رہا تھا لیکن اس خوشی کے ساتھ ساتھ وہ محتاط بھی رہتی کہ عبید احمد یا گھر کے کسی اور فرد کو اس علاج کے بارے میں پتہ نہ چلے۔ کیونکہ وہ سبھی اور خصوصاً اُس کا شوہر عبید احمد اُس کے آئے دن ادویات استعمال کرنے کے سخت خلاف تھے۔ یہ تو اتفاق کی بات تھی کہ جس روز صنم کو ادویات گھر پر موصول ہوئیں مشعل اُس کے پاس ہی موجود تھی۔ ورنہ یہ بات وہ مشعل سے بھی بھید ہی رکھتی۔

مہمانوں کی آمد جاری تھی۔ اب لان میں لگی کرسیوں پر کافی تعداد میں مہمان موجود تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد سفیان غوری اور صالحہ بیگم اپنے صاحبزادے شہریار اور چند خاص قریبی رشتہ داروں کے ہمراہ عدنان بشیر کے گھر داخل ہوئے جن کی آمد پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے اُنھیں خوش آمدید کہا گیا۔ شہریار اور اس کے خاندان کے افراد اب اسٹیج پر بیٹھ چکے تھے اور اب انتظار صرف مشعل کا ہو رہا تھا کہ وہ پارلر سے لوٹے اور منگنی کی رسم ادا کی جائے۔ پھر مشعل گھر پہنچی تو اُس کے گاڑی سے اُترتے ہی اذان دوڑتا ہوا اُس کے قریب آیا اور اس کے آنچل کو کھینچتے ہوئے بولا:

''مشعل آنتی! مشعل آنتی! آج آپ بہت پاری لگ رہی ہیں۔''

اذان کی توتلی زبان سے اپنی تعریف سن کر وہ مسکائی تو پیار سے اُس کی دونوں گالوں کو تھپتھپایا۔ عام دنوں میں بہت سادہ رہنے والی مشعل آج ہلکے سے میک اپ اور جدید تراش کے خوبصورت لباس میں کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد فاطمہ بی اور صنم کے ہمراہ جب وہ اسٹیج پر پہنچی تو شہریار اُسے دیکھتے ہی جیسے مبہوت ہو کر رہ گیا۔ پھر منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ شہریار اور مشعل نے ایک دوسرے کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی تو قریب موجود سبھی لوگوں نے دونوں کو مبارکباد اور دُعائیں دیں۔ پھر منگنی کی رسم کے بعد پرتکلف کھانوں سے سبھی شریکِ تقریب لوگوں کی تواضع کی گئی۔ یوں یہ تقریب رات دیر تک جاری

رہی۔اب شہر یار اپنے مما، پپا اور ساتھ آئے رشتہ داروں کے ہمراہ واپس لوٹ چکا تھا۔سبھی گھر کے افراد رات دیر تک جاری رہنے والی اس منگنی کی تقریب کے اختتام پذیر ہونے اور مہمانوں کو الوداع کہنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو چکے تھے لیکن مشعل اپنے کمرے میں موجود ابھی تک جاگ رہی تھی۔ اگر شہر یار اُس کی اسٹیج پر آمد کے نتیجے میں اُسے دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا تھا تو وہ بھی اپنی قسمت پر ناز محسوس کر رہی تھی۔شہر یار غوری وہ نام کے شہر کی ہر لڑکی جس کے ساتھ رشتہ جڑنا اِک خواب سمجھتی تھی۔ وہی شہر یار غوری اب اُس کا نصیب تھا۔ وہ سبھی مناظر بار بار اُس کی نگاہوں کے سامنے پردے پر چلنے والی کسی فلم کی طرح ظاہر ہو رہے تھے۔ جب شہر یار اُسے منگنی کی انگوٹھی پہنا رہا تھا اور پھر اُس نے بھی شہر یار کو انگوٹھی پہنائی تھی۔ وہ اس موقعے پر اُس کے چہرے پر ظاہر ہونے والے تاثرات کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ اُسے آنکھ بھر کر دیکھ ہی نہ پائی تھی اور اب اس کے بارے میں سوچتے سوچتے مسکائے جا رہی تھی۔ایسے ہی اپنی آنکھوں کے دریچوں پر خوبصورت خواب بنتے بنتے وہ سو گئی۔

صبح جب وہ اپنی فاؤنڈیشن پہنچی تو سبھی ورکرز نے اُسے منگنی کی مبارک باد دی لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک بات کو لے کر اب اُن کا اصرار بڑھ رہا تھا۔

''میڈم! اب تو مسٹر شہر یار سے ہمارا بھی ایک طرح کا رشتہ بن گیا ہے۔تو اب میں کہوں گی ہمیں اُن کی Appreciation میں تقریب ضرور منعقد کرنی چاہیے۔اسی بہانے ہم بھی آپ دونوں کو ایک ساتھ منگنی کی مبارک باد دے لیں گے۔''

دُبلی پتلی سی ورکر عشاء نے مشعل کو تجویز پیش کی جس پر مشعل فقط مسکرائی۔ساتھ ہی ساتھ دوسرے تمام ورکرز جو اس وقت ایک گروپ کی شکل میں جمع تھے وہ بھی عشاء کی اس تجویز کو لے کر ہم آواز ہو گئے۔

''مس مشعل! عشاء بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

دانیال نے کہا تو ضیاء بھی بولا ''میڈم! مسٹر شہر یار کی دی ڈونیشن سے آج کتنے ہی دُکھی لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ پھر ہم ان کے لیے تقریب منعقد کرنے میں دیر کیوں کر رہے ہیں۔اب ہم آپ کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔آپ آج ہی تقریب کے لیے دن بھی فائنل کریں اور مسٹر شہر یار کو بھی انفارم

کریں۔ہم آج سے ہی تقریب کی تیاریاں شروع کردیں گے۔''

یوں مشعل کو اپنے سبھی ورکرز کے ہم زبان ہو کر بولنے پر ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ پھر دن طے کرنے کے بعد مشعل نے شہریار کو کال کی اور دریافت کیا کہ اُس کی دو دن بعد کوئی خاص مصروفیت تو نہیں۔

شہریار کے بتانے پر کہ آنے والے دو دنوں میں اُس کی کوئی خاص مصروفیت نہیں مشعل نے اُسے تقریب میں شرکت کی دعوت دے دی جسے شہریار نے بخوشی قبول کرلیا۔ اب دو دن بعد ہونے والی تقریب کو حتمی شکل مل گئی تھی۔ سبھی ورکرز نے اس بات پر بھرپور خوشی اور گرم جوشی کا اظہار کیا اور پھر سبھی اپنی اپنی ذمہ داریوں کے مطابق کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ اگلے دو دن یونہی مصروفیت میں گزر گئے اور پھر اُس صبح کا سورج طلوع ہوا جس دن کا مشعل کی فاؤنڈیشن کے ہر ورکر کو انتظار تھا۔تقریب کے لیے ایک بڑا سا ہال بُک کروایا گیا تھا جسے تازہ پھولوں اور فاؤنڈیشن کے بینرز سے آراستہ کیا گیا تھا جن میں سے چند بینرز پر شہریار کے نام کے ساتھ شکریہ کے الفاظ درج تھے۔

پھر تقریب کا آغاز کیا گیا۔اس تقریب میں شہریار غوری تو بطور خاص مہمان شریک ہی تھا ساتھ ہی ساتھ شہر کے اور بھی نامور حضرات کو مدعو کیا گیا تھا جبکہ چند افراد ایسے بھی شریک تھے جو کہ مشعل کی فاؤنڈیشن کو مستقل امداد فراہم کرتے آ رہے تھے۔

سب سے پہلے مشعل نے اسٹیج پر آ کر اپنی فاؤنڈیشن کی اس سال کی کارکردگی پر روشنی ڈالی جسے سن کر ہال میں بیٹھے سبھی لوگوں نے بہت سراہا اور تالیاں بجا کر مشعل کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر اُس نے شہریار کا شکریہ ادا کیا اور اُسے ڈائس پر آ کر بولنے کی دعوت دی۔شہریار پُر وقار انداز میں چلتے ہوئے اسٹیج کی جانب بڑھا تو ہال میں بیٹھی نوجوان لڑکیاں ایک دوسرے کو بتانے لگیں کہ یہ خوبرو شہزادہ مشعل کا منگیتر ہے۔شہریار نے اسٹیج پر پہنچ کر ڈائس سنبھالا اور پھر بولنا شروع کیا۔

''دُکھی انسانیت کے کام آنا تو بہت بڑی سعادت ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس فاؤنڈیشن کو دس روپے سے مدد فراہم کرنے والا بھی اتنی ہی مبارک باد کا مستحق ہے کہ جتنی مبارک باد کا میں مستحق ہوں۔'' شہریار کی یہ بات سن کر ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔تالیوں کی تھمتی آواز میں وہ پھر سے بول رہا تھا۔

''آخر میں میں ان سب لوگوں کو مبارک باد دوں گا جو اس فاؤنڈیشن سے وابستہ ہیں۔ وہ سبھی لوگ جو دن رات دُکھی انسانیت کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔شکریہ'' وہ تالیوں کی گونج میں اسٹیج سے اُتر کر واپس اپنی نشست پر آ بیٹھا۔

پھر کچھ مزید لوگوں نے بھی اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور آخر میں تقریب کے اختتام پر فاؤنڈیشن کے ورکرز نے شہریار غوری کو گھیر لیا۔ وہ نہ صرف اُس کا شکریہ ادا کر رہے تھے بلکہ وہ اُسے مشعل کے ساتھ منگنی طے ہونے پر مبارک باد بھی پیش کر رہے تھے۔ جبکہ مشعل اس وقت اُن سبھی لوگوں سے آخری ملاقات میں مصروف تھی جو خصوصاً اس فاؤنڈیشن کی سرپرستی کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب شہریار کو فاؤنڈیشن کے ورکرز نے گھیر رکھا تھا تو شہریار کو پاس کھڑی ایک ورکر عشاء سے باتوں ہی باتوں میں معلوم ہوا کہ ایک دن بعد ہی مشعل کی سالگرہ کا دن آ رہا تھا۔ وہ اپنے سبھی ساتھیوں کو بتا رہی تھی کہ اس موقع پر وہ میڈم مشعل کو کوئی خاص سرپرائز دے گی۔ شہریار یہ جان کر بے حد خوش ہوا اور ساتھ ہی ساتھ اُس کے ذہن میں کئی طرح کے منصوبے بن رہے تھے۔

باب20

آج مشعل کی سالگرہ کا دن تھا لیکن وہ اس قدر مصروف تھی کہ یہ ایک خاص دن بھی خود کو وقف کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ فاؤنڈیشن جانے کے لیے پہلے ناشتے کی میز پر سب کے ساتھ موجود تھی لیکن وہ اس بات سے حیران ہو رہی تھی کہ اُسے گھر کے کسی بھی فرد نے سالگرہ کی مبارک باد تک نہ دی تھی۔ یونہی حیرانگی کے ساتھ وہ اپنی گاڑی لے کر گھر کے بیرونی دروازے سے باہر نکلنے لگی تو رُک کر اُس نے رحمن بابا سے پوچھا:

''رحمن بابا! آج آپ کچھ بھول رہے ہیں۔''

پچھلے تئیس سالوں سے رحمن بابا اُسے ہر سالگرہ پہ مبارک باد دیتے آئے تھے لیکن آج سب کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے بھی مشعل کو مبارک باد نہ دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مشعل نے اُنھیں یاد کروانے کے لیے پوچھا تھا۔ مشعل کے سوال پر رحمن بابا کچھ سوچتے ہوئے بولے:

''ارے ہاں بی بی جی! ہم روز بھول ہی جاتے ہیں کہ آپ نے پچھلے کئی دنوں سے بینگن کا بھرتا

بنانے کی فرمائش کی تھی۔''

رحمن بابا کی یہ بات سنتے ہی مشعل نے سٹیرنگ پر غصے سے ہاتھ مارا اور بریک سے پاؤں اُٹھا کر اُس نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ فاؤنڈیشن پہنچی تو اُسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آج فاؤنڈیشن کے بہت سے ورکرز بنا بتائے ہی چھٹی پر تھے۔ اُس نے آج کے روز ہونے والے کاموں کی فہرست دیکھی۔ اُس میں بہت سے ایسے کام تھے جو وہ اگلے روز پر ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکیلے ہی تمام کام کرنے میں مصروف ہوگئی۔ یوں اُسے کام ختم کرتے کرتے شام ہوگئی۔ پھر وہ تھکی ہاری گاڑی لے کر گھر پہنچی اور گاڑی کار پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد وہ ہال میں داخل ہوئی تو وہاں مکمل اندھیرا تھا۔

''ابھی اتنی رات تو نہیں ہوئی کہ سبھی لائٹ آف کر کے سو جاتے۔'' اُس نے ذہن میں سوچا اور پھر آواز دی۔

''فاطمہ بی! بابا جانی! طلحہ بھائی! اُس کے یہ تین نام بولتے ہی سارے ہال کی بتیاں روشن کر دی گئیں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر مشعل! شہریار، شہریار کے مما پپا، فاؤنڈیشن کے سبھی ورکرز اور دوست احباب ملا کر ایک بڑی تعداد میں لوگ ہال میں موجود تھے جو اُسے سالگرہ کی مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ خوشی کے ساتھ ساتھ متعجب ہو کر ابھی بھی ہال کے وسط میں کھڑی ان سبھی افراد کی جانب دیکھ رہی تھی جو کہ ہاتھ ہلا ہلا کر اُسے مبارک باد دے رہے تھے۔ یہ پہلی سالگرہ تھی جس میں اس کی فاؤنڈیشن کے سبھی ورکرز اور دوست احباب ایک ساتھ اتنی بڑی تعداد میں شریک ہوئے تھے۔

مشعل نے ایک نظر پورے ہال کی جانب دوڑائی جسے خصوصاً سالگرہ کے لیے نہایت خوبصورتی اور محنت سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ہر طرف فرش پر غبارے پھیلے ہوئے تھے جبکہ چھت کے ساتھ چمکیلے رنگ برنگے ستارے لٹک رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ بھی مصنوعی پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ اب وہ سب سمجھ گئی تھی۔ صبح گھر کے کسی بھی فرد کا مبارک باد نہ دینا، رحمن بابا کو یاد دہانی کروانے کے باوجود جو اُن کا جواب اُسے ملا تھا اب یاد آ جانے پر وہ ہنس رہی تھی اور پھر فاؤنڈیشن پہنچنے پر وہاں زیادہ تر ورکرز کا

چھٹی پر ہونا۔ وہ یہی سب سوچ رہی تھی جب دفعتاً اذان نے اُس کا پلو کھینچا اور کہنے لگا:

''مشعل آنتی! اب کیک کاتو ناں''

اُس کی توتلی زبان سے یہ الفاظ سن کر سب نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا تو مشعل نے اُسے اُٹھا لیا اور چُھری اذان کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ اُس کے ہاتھ کو تھامے کیک کاٹنے لگی۔

پھر سب سے پہلے شہر یار مشعل کے قریب آیا اور اُسے سالگرہ کا تحفہ پیش کرتے ہوئے مبارک باد دی۔ یہ سرپرائز اُسے شہر یار کی جانب سے ہی ملا تھا۔ کیک کاٹنے کے بعد جب وہ فاطمہ بی کو کیک کھلا رہی تھی تو یہ بات چپکے سے فاطمہ بی اُس کے کان میں کہہ چکی تھی۔

''شہر یار! اس سب کے لیے بہت شکریہ''، مشعل نے شہر یار کے ہاتھ سے سالگرہ کا تحفہ لیتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں مشعل......! اللہ آپ کو ایسی ہزاروں سالگرہ دیکھنا نصیب کرے۔ میں ہر سالگرہ کو پہلے سے بھی بڑھ کر سیلیبریٹ کروں گا۔''، مشعل نے شہر یار کی یہ بات سنی تو جیسے شرما سی گئی۔

شہر یار اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر مشعل کے پاس کھڑے افراد اپنے ساتھ لائے تحفے تحائف اُسے پیش کرنے لگے اور یوں وہ بھی مشغول ہو گئی۔

رات گئے جب شہر یار اپنے خاندان کے ساتھ مشعل کے گھر سے رُخصت ہوا تو راستے میں صالحہ بیگم نے بات شروع کی۔

''سفیان! میں چاہ رہی ہوں اب جبکہ شہر یار اور مشعل کی منگنی ہوئے بھی کافی وقت بیت چکا ہے ہمیں شادی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

سفیان غوری، صالحہ بیگم کی بات سن کر خوش ہوئے اور بولے:

''بیگم! آپ نے تو میرے منہ کی ہی بات چھین لی۔''

پھر دونوں شہر یار کی جانب متوجہ ہوئے اُس سے مشورہ لیا گیا تو اُس کے چہرے پر بدلتا رنگ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یوں فیصلہ ہو گیا کہ چند دن ٹھہر کر وہ عدنان بشیر کے گھر شادی کے دن طے کرنے جائیں گے۔

باب21

سالگرہ پر ملنے والے تمام تحفے تحائف مشعل کے کمرے میں پہنچا دیے گئے تھے جنھیں اب وہ ایک ایک کر کے کھول چکی تھی لیکن ایک تحفہ ایسا تھا جسے اُس نے ابھی تک نہیں کھولا تھا۔ اُس کے دل نے کئی بار چاہا کہ وہ سب سے پہلے اسی تحفے کو کھولے گی لیکن اب وہی تحفہ باقی رہ گیا تھا۔ جسے اُس نے ابھی تک نہیں کھولا تھا اور وہ تحفہ اُسے شہر یار غوری اپنے منگیتر کی جانب سے ملا تھا جسے سامنے رکھے وہ سوچ رہی تھی کہ اس میں ایسی کیا خاص چیز ہوگی جو شہر یار نے اُسے تحفتاً دی ہوگی اور یہی وہ تجسس تھا جس وجہ سے وہ ابھی تک اس تحفے کو کھول نہیں پائی تھی۔ پھر اُس نے چار بائی پانچ فٹ کے اتنے بڑے تحفے کو کھولنے کے لیے اس پر لپٹے سنہری کاغذ کو اُتارنے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ سنہری کاغذ کے ہٹتے ہی اُسے پہچاننے میں ذرا دیر نہیں لگی۔ اس کے سامنے موجود چہرہ اُسی کا تھا۔ یہ شہر یار کا بنایا ہوا پورٹریٹ تھا جو کہ اُس نے مشعل کو پہلی بار دیکھنے پر بنایا تھا۔ وہ بہت دیر تک اُسے دیکھتی رہی۔ بنانے والے نے اس کے حسن کو لازوال بنا دیا تھا۔

مشعل کی سالگرہ کے چند روز بعد ہی سفیان غوری اور صالحہ بیگم شادی کے دن طے کرنے کے سلسلے میں مشعل کے گھر چلے آئے۔ اُنھوں نے بیٹھتے ہی صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر عدنان بشیر اور فاطمہ بی نے بھی کوئی اعتراض ظاہر نہیں کیا لیکن وہ اس سلسلے میں مشعل سے بات کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ پھر فاطمہ بی نے مشعل کو بھی منا ہی لیا۔

یوں دن طے ہوتے ہی دونوں طرف زوروں شوروں سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ اب شادی میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا لیکن ایک ہفتہ پہلے سے ہی مشعل کے گھر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ نھیال اور ددھیال دونوں طرف سے مشعل کی ہم عمر کزنز نے پہلے سے ہی آ کر ڈیرہ جما لیا تھا۔ عدنان بشیر کے گاؤں سے تعلق رکھنے والے عزیز و اقارب بھی پہنچ چکے تھے۔ دراصل یہ لوگ ایسے موقعوں پر خوشی کے ہر ہر پل کو خوب جیتے تھے۔ ہر روز دن بھر خریداری چلتی رہتی اور رات ہوتے ہی ڈھولک بجا کر گیت سنائے جاتے۔ ساتھ ہی ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ بھی رات گئے تک جاری رہتا۔

اب مہندی میں ایک دن رہ گیا تھا جب مشعل فاطمہ بی کے پاس آ کر بولی:

''فاطمہ بی! اب صرف ایک دن رہ گیا ہے۔ پھر اس ایک دن کے بعد ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔''

مشعل نے یوں معصومیت سے کہا کہ فاطمہ بی کی آنکھیں بھر آئیں جو کہ شادی کے جوڑے، زیورات پھیلائے اُن کے پاس بیٹھی تھیں۔

''ہم نے اسی لیے کہا تھا کہ ہماری شادی میں جلدی نہ کرو''

مشعل نے فاطمہ بی کی بھیگتی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تو وہ بولیں:

''ارے پگلی! ایسا نہیں کہتے بیٹیوں کو ایک دن اپنے گھر کا ہونا ہی ہوتا ہے اور ہماری مشعل تو ملکہ بننے جا رہی ہے۔''

یہ سن کر مشعل فوراً بولی ''ہمیں نہیں بننا ملکہ آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والے ہم۔''

وہ فاطمہ بی سے لپٹ گئی۔ بال آخر یہ پل گھڑیاں بھی ماضی ہوگئیں تو پھر مشعل کی مہندی کا دن آ گیا۔مہندی کا پیلا جوڑا اور ساتھ میں قدرتی پھولوں سے تیار کردہ زیورات پہنے وہ کس قدر حسین لگ رہی تھی۔

''کتنا روپ آیا ہے''

ایسا اُسے کئی بڑی بوڑھی خواتین بلائیں لیتے ہوئے کہہ چکی تھیں۔ یہاں صرف مشعل کی ہی مہندی ہونے جا رہی تھی۔شہر یار غوری کی مہندی اپنے ہی گھر میں ہو رہی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ شہر یار کے پپا کا حلقہ احباب اتنا وسیع تھا کہ انہوں نے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو عدنان بشیر کی طرف لانا مناسب نہیں سمجھا۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہندی پر بھی اُن پر کوئی بوجھ پڑے۔ یوں اُنہوں نے اپنے گھر پر ہی شہر یار کی مہندی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔اب تقریباً سبھی مہمان آ چکے تھے اور مشعل کو جلد ہی ہال میں تیار کیے گئے اسٹیج پر آ کر بیٹھنا تھا۔ ہر طرف جیسے قہقہوں اور خوشبوؤں کا ایک سیلاب سا اُمڈ آیا تھا۔انہی خوشبوؤں اور قہقہوں میں ایک چہرہ ایسا تھا جو کہ آج صبح سے ہی فق پڑا تھا جو بھی صنم کو دیکھتا وہ تعریف کرنے لگتا کہ اب اُس کے چہرے پر موجود پھلبہری کے نشانات ختم ہو چکے تھے اور وہ مکمل خوبصورت دکھائی دے رہی تھی لیکن اتنی بڑی خواہش پوری ہونے اور تعریفوں کے باوجود اُس کے چہرے پر کوئی خوشی کے تاثرات موجود نہ تھے۔ دراصل چند روز پہلے سے اُس کا دل عجیب بے چینی محسوس کر رہا تھا اور آج تو اُسے اپنے سارے وجود میں خون کی جگہ تیزاب دوڑتا محسوس ہو رہا تھا جس کے نتیجے میں اُسے اپنے جسم پر شدید کھاج محسوس ہو رہی تھی لیکن کمالِ مہارت سے صنم نے اپنی ایسی حالت کو چھپا رکھا تھا۔اب تک وہ دو بار نہا چکی تھی۔ پھر بھی اُسے جسم پر شدید کھاج محسوس ہو رہی تھی اور ذہنی طور پر جیسے وہ سن ہو رہی تھی۔ اُسے ادویات استعمال کرتے اب چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اگرچہ اب اُس کے جسم پر موجود پھلبہری کے نشانات بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے لیکن اتنا عرصہ ادویات کا لگاتار استعمال اور وہ بھی بغیر کسی معالج کے مشورے کے اُسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ یہ ادویات اُس کے جسم میں کوئی منفی اثرات بھی مرتب کر سکتی ہیں لیکن اب اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

''ارے صنم! تم یہاں کھڑی ہو۔ بھئی اب جلدی کرو۔ مشعل کے کمرے میں جاؤ اُسے اب مہندی کی رسم ادا کرنے کے لیے کمرے سے باہر لے آؤ۔'' فاطمہ بی نے گزرتے ہوئے صنم کو الگ تھلگ ایک جانب کونے میں کھڑے دیکھا تو کہا۔

''جی فاطمہ بی ہم آ رہے ہیں۔'' صنم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

مصروفیت کی وجہ سے فاطمہ بی تو چلی گئی لیکن صنم ابھی بھی وہیں کھڑی تھی۔

''یا اللہ! میری بہن مشعل کی زندگی میں اتنی بڑی خوشی آ رہی ہے ایسے خوشی کے موقعے پر میری وجہ سے کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو جائے۔ وہ دل میں دُعائیں کر رہی تھی۔

پھر اپنے آپ کو کچھ پرسکون اور مطمئن پا کر وہ مشعل کے کمرے کی جانب بڑھی جہاں لڑکیوں نے مشعل کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔

''لو بھئی! صنم اس آنچل کو ایک کونے سے پکڑو۔'' ایک لڑکی نے کہا تو صنم نے آنچل کا ایک کونا تھاما اور مشعل کے چہرے کو تھپتھپایا جو کہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اب مشعل آنچل کے سائے تلے کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ صنم نے آنچل کا ایک کونا تھام رکھا تھا اور باقی سب لڑکیوں کے ہمراہ وہ دھیرے دھیرے مشعل کو آنچل تلے لیے اسٹیج کی جانب بڑھ رہی تھی۔ صنم کو پھر سے سر تا پاؤں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ شدید کھاج کی صورت میں وہ جسم کے جس حصے کو کھجلاتی وہاں سے جسم پر غبارہ نما اُبھار بننے لگتے۔ صبح سے اُس کے جسم پر ہونے والی ایسی کھاج کے نتیجے میں بہت سے غبارہ نما اُبھار موجود تھے جن کی وجہ سے وہ بے حد تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ عین اسی وقت ایک کونے میں مرد حضرات کے جھرمٹ میں کھڑا عبید احمد بھی صنم کی طرف ہی متوجہ تھا۔ اُس کی نگاہیں مسلسل صنم کا تعاقب کر رہی تھیں اور وہ یہ سوچے جا رہا تھا کہ صنم نے اگر کسی قسم کی سرجری یا ادویات کے استعمال سے علاج کروایا ہے تو پھر اُسے آگاہ کیوں نہیں کیا۔ پھر اُسے لگا جیسے صنم کچھ پریشان ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہیں مسلسل صنم پر ہی ٹکی تھیں۔

صنم بامشکل ایسی جسمانی تکلیف دہ حالت کو برداشت کر پا رہی تھی۔ پھر مشعل کے اسٹیج پر پہنچ کر بیٹھتے ہی وہ ایک طرف کو دوڑی۔

''صنم!'' وہ عبید احمد کی آواز سن کر رُک گئی۔

''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے کیا؟'' عبید احمد نے صنم کے قریب پہنچتے ہی سوال کیا۔

''نہیں نہیں......احمد پریشانی کیسی یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ میں بھلا پریشان کیوں ہوں گی۔''

یہ کہتے ہوئے اس کی نگاہیں مسلسل جھکی ہوئی تھیں اور وہ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر مسل رہی تھی۔

''لو پھر یہ اذان میاں کو پکڑو مجھے تو بہت کام ہیں۔''

''نہیں'' عبید کے کہنے پر فوراً اُس کے منہ سے نکلا۔

''میرا مطلب ہے احمد دیکھو میں کتنی مصروف ہوں اور ابھی مشعل کو مہندی بھی لگانی ہے۔ اذان! آپ اپنے پپا کے پاس ہی رہو۔''

یہ کہتے ہوئے صنم نے اذان کا چہرہ تھپتھپایا اُسے گال پر پیار کیا اور اذان نے بھی اپنی بانہیں یوں عبید احمد کے گلے میں ڈال دیں جیسے وہ اپنے پپا کے پاس ہی رہنا چاہتا ہو۔ عبید احمد اذان کو اُٹھائے ایک طرف چلا گیا تو صنم کو جیسے کچھ سکون ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُس کی ایسی جسمانی حالت میں وہ اذان کو اپنے پاس رکھے۔

وہاں وہ ایک لمحے کو بھی نہیں ٹھہری اور تیز تیز قدم بھرتی واش روم میں آ گئی۔ پھر واش روم کی چٹخنی اُوپر چڑھا کر وہ کچھ دیر دروازے سے پشت لگائے آنکھیں موندے کھڑی رہی۔ اُسے پھر سے سارے وجود میں شدید درد کا احساس ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ شدید کھاج محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے چہرے، بازو اور کبھی اپنی پشت کو دروازے سے رگڑنے لگی تھی۔ اُس کے بازو اور چہرہ سرخ ہو رہے تھے۔ شدید درد نے اُسے کراہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ پشت لگائے اب اپنے جسم کو گھسیٹتے ہوئے نیچے بیٹھ چکی تھی۔ ہاتھوں اور بازوؤں کو دائیں بائیں اکڑائے وہ گھٹنوں میں سر دیے رونے لگی۔ کچھ دیر تک وہ ایسی ہی حالت میں رہی۔ پھر اُٹھ کر وہ بیسن کے قریب آ ئی، آئینے پر نظر پڑنے پر اُسے اپنی آنکھوں کا کاجل سارے چہرے پر پھیلا دکھائی دیا۔ پانی کھول کر اُس نے اپنے چہرے پر چھینٹے مارے اور پھر گیلے ہاتھوں کو اپنے بازوؤں پر پھیرنے لگی۔ جس سے اُسے کچھ سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر اُس نے ایسے ہی گیلے ہاتھوں کو اپنی گردن کے گرد بھی پھیرا، چہرے پر پھیلے کاجل کو اچھی طرح

سے صاف کیا۔ پاس رکھے کنگھے کو اپنے بالوں میں پھیرا۔ انھیں سنوارا اور پھر سے وہ باہر آ گئی۔ اُس کی توقع کے عین مطابق سبھی لوگ اُسے ہی تلاش کر رہے تھے۔ کسی لڑکی نے صنم کا بازو تھاما اور اُسے اسٹیج پر لے آئی۔ اسٹیج پر پہنچتے ہی فاطمہ بی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دراصل وہ اُس کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں کہ صنم آئے تو وہ مشعل کو مہندی لگائیں۔

فاطمہ بی نے مشعل کے ہاتھ پر مہندی رکھی تو اُن کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''ابھی کل تو یہ چھوٹی سی بچی تھی۔ یوں بات بات پر رُوٹھ جایا کرتی تھی اور پھر فاطمہ بی اُسے گدگداتے ہوئے کہتی اچھے بچے یوں رُوٹھا نہیں کرتے۔'' وہ یہی سوچ رہی تھی اور پھر ہلکا سا مسکائی جیسے وہ اپنے آنسو مشعل کی رُخصتی کے لیے بچا کر رکھنا چاہتی تھی۔ عین اُسی وقت عدنان بشیر کی نظر اسٹیج پر پڑی۔ ایک طرف فاطمہ بی موجود تھی اور دوسری طرف صنم، درمیان میں بیٹھی مشعل پھولوں جیسی دکھائی دے رہی تھی۔ مشعل پر اُن کی نظر پڑی تو وہ کچھ آبدیدہ ہو گئے۔ پھر وہ کچھ زیادہ دیر رُکے نہیں بلکہ انتظامات دیکھنے کے سلسلے میں مصروف ہو گئے تھے۔

صنم نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے نظر دوڑائی اتنی بھیڑ میں ہر کوئی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ ہلکی ہلکی آواز میں مہندی والا کوئی گیت بھی چل رہا تھا۔ وہ بھی بے حد خوش تھی۔ بھلا اُس سے زیادہ خوشی اور کسے ہو سکتی تھی لیکن ایک انجانہ خوف جو اُسے گھیرے ہوئے تھا وہ اُس کی وجہ سے خوفزدہ تھی۔ پھر اُس نے بھی مشعل کو مہندی لگا کر اس کا منہ میٹھا کیا۔ مہندی کی رسومات کے بعد کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر مہمانوں کی رُخصتی کے بعد رات گئے صنم اپنے کمرے میں پہنچی تھی۔ تھکاوٹ کے باوجود وہ سوئی نہیں بلکہ اُس نے وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کرنے لگی۔ اُس کے نماز ادا کرنے کے دوران ہی عبید احمد کمرے میں آ کر سو گیا تھا۔ اُس نے نماز پڑھ چکنے کے بعد ایک طویل سجدے سے سر اُٹھایا اور ہاتھ بلند کیے۔ وہ دعا مانگنے لگی۔ وہ گڑگڑاتے ہوئے خدا کے حضور دُعائیں کر رہی تھی۔

''یا اللہ! مجھے کچھ مہلت دے دے۔''

''اس خوشی کے موقعے پر ہماری ان خوشیوں کو سلامت رکھ۔ میری بھول کی کسی اور کو سزا کیوں ملے۔ مجھ گنہگار پر رحم فرما''

وہ دعائیں کرتی رہی اور پھر سے سجدے میں گر گئی۔ پھر سجدے سے اُٹھ کر اُس نے ادویات کے وہ پیکٹ نکالے جو کہ اُسے ابھی چند ماہ تک مزید استعمال کرنے تھے۔ اُس نے کمرے میں پھیلی ملگجی روشنی میں اُن ادویات کو ایک کونے میں رکھی کچرے کی ٹوکری میں پھینکا اور اب وہ عبید احمد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اذان اُن کے کمرے میں نہیں تھا۔ کیونکہ وہ جب بھی اپنے میکے آتی اذان رات اپنی نانو فاطمہ بی کے پاس ہی سوتا تھا۔ صنم اب عبید کی طرف دیکھتے ہوئے مزید مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے کچھ احساس ہو رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ آنے والے چند گھنٹوں میں یہ تکلیف مزید بڑھتی چلی گئی اور اگر اُسے ہسپتال جانا پڑا تو پھر عبید احمد ساری حقیقت جان جائے گا اور یوں وہ اُسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپائے رونے لگی۔

دفعتاً عبید احمد بولے ''صنم سو جاؤ اب''

صنم یہ سن کر ہڑبڑائی۔ اُس نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے جنھیں ملگجی روشنی میں عبید احمد دیکھ نہیں پایا تھا۔ پھر وہ بستر پر لیٹ گئی لیکن لیٹے لیٹے بھی وہ دعائیں مانگتی رہی۔ پھر یونہی نیند نے اُسے اپنی آغوش میں لے کر سلا دیا۔

نئی صبح ہو رہی تھی۔ صبح صادق کے وقت ہی اُس کی آنکھ کھلی وہ خوش تھی۔ اُسے مہلت مل گئی تھی۔ اُسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ رات کو اُس نے ادویات پھینک کر بڑا اچھا کام کیا تھا۔ ایسی جسمانی حالت میں اگر وہ رات کو بھی ادویات کی ایک خوراک اور پھانک لیتی تو پھر اُس کے اثرات یقیناً برے نکلتے۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے فجر کی نماز ادا کی اور پھر نماز ادا کرنے کے بعد وہ دیر تک دُعائیں کرتی رہی۔ مشعل کے اچھے نصیب اور اپنی صحت کے لیے۔

باب22

شہر یار غوری کے لیے آج زندگی کا سب سے حسین دن تھا۔ کیا یہ دن تب بھی اُس کی زندگی میں ایسے ہی حسین ہوتا اگر اُس نے محبت نہ کی ہوتی؟ اس سوال کا جواب اُس کا ذہن نفی میں دے رہا تھا۔

''مسٹر شہر یار! بہت کم لوگ ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ جسے وہ چاہیں وہی اُن کا نصیب ٹھہرے۔''

قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا وہ اس وقت یہی سوچ رہا تھا۔ اُس نے سفید شیروانی زیب تن کر رکھی تھی جو کہ سنہری تاروں اور موتیوں سے کڑھی ہوئی تھی۔ جو اُس کے صحت منداور سرو قد جسم پر خوب جچ رہی تھی۔ اس وقت وہ کسی ریاست کا راجکمار ہی دکھائی دے رہا تھا اور اب اس راج کمار کے کمرے سے باہر نکلنے کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ باہر موجود شہر یار کے مما، پپا، جگری یار اور قریبی عزیز و اقارب سبھی کو اُس کے تیار ہو کر کمرے سے نکلنے کا انتظار تھا۔ وہ اپنی تیاری مکمل کر چکا تھا لیکن پھر بھی کمرے میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ کچھ وقت اکیلے میں اپنے آپ کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا یا شاید آخری بار

وہ اپنے کمرے میں پھیلی تنہائی اور ملگجی روشنی سے باتیں کرنا چاہتا تھا جس کا وہ پچھلے چند عرصے تک حصہ رہا تھا۔

''وہاں بھی انتظار ہو رہا ہوگا مسٹر شہر یار!''

یہ سوچ کر وہ مسکرایا۔اُس نے آخری بار آئینے میں اپنے بالوں کو سنوارا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔کمرے سے نکلتے ہی گلاب کی پتیاں اُس پر یوں برس پڑیں جیسے وہ اپنے کمرے سے دلہن کے گھر جا نکلا ہو۔یہ شہر یار کی شریر قسم کی کزنز تھیں۔

''کیوں شہری! ہم میں کیا کمی تھی؟'' شیزا نے کہا تو باقی لڑکیوں نے یہ سن کر قہقہہ لگایا۔

وہ سیڑھیاں اُترتے ہوئے لڑکیوں کے جھرمٹ میں نیچے آرہا تھا اور وہ سب لڑکیاں ابھی بھی پتیاں اُس پر پھینک رہی تھیں۔شہر یار نے آخری سیڑھی پر رُک کر اُترنے سے پہلے صرف اتنا کہا۔

''تم سبھی اُسے دیکھ لو گی ناں تو سارے جواب مل جائیں گے۔'' یہ سن کر وہ سب وہیں سیڑھیوں پر کھڑی ایک دوسرے کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

''اوہ...........'' شہر یار کے سیڑھی اُتر کر آگے بڑھنے پر پیچھے سے سبھی لڑکیوں نے شریر انداز میں کہا۔

وہ اپنے مما پپا کی طرف بڑھا جنھوں نے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور وہ دیر تک اُسے نہارتے رہے۔اب اُس کے سب دوستوں نے شہر یار کے گرد دائرہ بنا رکھا تھا اور وہ سب خوشی سے رقص کر رہے تھے۔

پھر چار عدد خوبصورت سفید گھوڑوں پر مشتمل بگھی بالکل تیار تھی۔شہر یار بگھی پر سوار ہوا تو یہ براتیے شہر کی خاص شاہراہ پر جب نکلے تو ہر راہ چلتا شخص رُک کر دیکھنے لگتا کہ یہ کس شہزادے کی بارات جا رہی ہے۔نصف سفر طے کرنے کے بعد بگھی رُک گئی تھی۔اب شہر یار کے لیے ایک (Limuzin) تیار کھڑی تھی جس میں شہر یار کے مما پپا اور چند خاندان کے قریبی افراد پہلے سے موجود تھے۔شہر یار بھی اُس میں بیٹھ گیا تو پھر وہ آگے بڑھے۔

امیروں کے لیے شاید ایسا کرنا اُن کے بچوں کی خوشیوں اور جدید فیشن کا تقاضا ہوتا ہے لیکن غرباء تو

Limuzin کے ایک دن کے کرائے کے بھی نصف میں اپنے بچوں کو بیاہ لیتے ہیں۔ یوں وہ ایسے امیر زادوں کی شان وشوکت سے گزرتی باراتوں کو صرف حسرت بھری نگاہوں سے ہی دیکھ کر رہ جاتے ہیں۔

بارات اب ہوٹل کے قریب پہنچ کر رُک گئی تھی۔ کیونکہ آگے کا راستہ دُلہا بنے شہر یار کو شہنائیوں کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے طے کرنا تھا۔شہر یار کے چند منچلے دوست اُس کے ارد گرد رقص کر رہے تھے اور اب یونہی ناچتے گاتے ہوئے وہ ہوٹل کی جانب بڑھ رہے تھے۔مشعل کے بابا عدنان بشیر جانتے تھے کہ اگر اُنھوں نے شہر کے ایک متمول گھرانے سے رشتہ جوڑا ہے تو پھر شادی کے انتظامات بھی اُن کی شایانِ شان ہونے چاہئیں۔یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے شہر کے ایک بڑے پانچ ستارہ ہوٹل کو بک کروا رکھا تھا اور ایسا کرنے کے لیے اُنھیں بینک سے قرضہ بھی لینا پڑا تھا۔

بارات اب ہوٹل میں داخل ہو چکی تھی۔مہمانوں کے بیٹھتے ہی مولوی صاحب مشعل کے پاس آئے تا کہ نکاح پڑھا جا سکے۔قرآنی آیات پڑھنے کے بعد مولوی صاحب بولے:

''مشعل بشیر ولد عدنان بشیر ہمراہ شہر یار غوری ولد سفیان غوری حق مہر ایک کروڑ سکہ رائج الوقت نکاح قبول ہے؟''

مشعل نے یہ سن کر فاطمہ بی کی جانب دیکھا جنھوں نے اپنے ہونٹ ہلا کر جیسے اُسے بولنے کی اجازت دی تھی۔

''قبول ہے''،مشعل نے کہا۔

مولوی صاحب پھر بولے قبول ہے۔مشعل نے ارد گرد نگاہ دوڑائی اُس کے بابا عدنان بشیر اُسے پاس دکھائی نہیں دے رہے تھے۔فاطمہ بی فوراً سمجھ گئی۔اُنھوں نے کسی کو اشارے سے کمرے سے باہر موجود عدنان بشیر کو بلانے بھیجا اور مشعل کے کاندھے کو تھپتھپایا تو وہ بولی ''قبول ہے'' مولوی صاحب نے تیسری اور آخری مرتبہ پوچھا ''قبول ہے'' تب عدنان بشیر کمرے میں پہنچ چکے تھے۔اُنھوں نے مشعل کے سر پر بوسہ دیا اور مشعل نے تیسری بار ''قبول ہے'' کہا تو جیسے اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔کیونکہ وہ اب مشعل بشیر سے مسز شہر یار غوری بن گئی تھی۔

عدنان بشیر وہاں رُکے نہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی چہیتی بیٹی اس موقع پر زیادہ اُداس ہو۔ یوں وہ شادی پر آئے مہمانوں سے ملنے ملانے میں مصروف ہو گئے تھے۔مشعل سے نکاح نامے پر دستخط کے بعد مولوی صاحب شہر یار کے پاس آئے۔ نکاح مکمل ہونے پر دعا مانگی گئی اور سبھی نے دولہا دلہن کو مبارک باد دی۔ نکاح کے بعد پر تکلف کھانا شروع ہوا۔ کھانے کے بعد دولہا دلہن کو ایک ساتھ اسٹیج پر بٹھایا گیا۔ اُنھیں تحفے تحائف دیے گئے اور گروپ فوٹو اُتارے گئے۔ پھر رُخصتی کا وقت آیا تو مشعل کی آنکھوں میں آنسو ستاروں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی طلحہ سے لپٹ گئی تھی۔ فاطمہ بی اُس کے بابا عدنان بشیر بڑی بہن صنم بہنوئی عبید احمد، رحمن بابا، اُن کی بیگم سکینہ سبھی اس موقع پر آبدیدہ ہو گئے تھے۔ پھر Limuzin کا دروازہ کھلا تو مشعل کو اُس میں بٹھایا گیا۔ شہر یار اور اُس کے خاندان نے سب سے رُخصت لی اور یوں بارات دلہن کو لے کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔

روتی ہوئی صنم ہوٹل کی سیڑھیوں پر کھڑی تھی جہاں سے وہ نظروں سے اوجھل ہوتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت جسمانی تکلیف سے بالکل آزاد لگ رہی تھی لیکن کبھی کبھی کوئی گہرا سکوت آنے والے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتا ہے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھی۔

باب23

شہر یار کھانستے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔مشعل کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔مسہری میں وہ اُس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔مشعل نے اپنی پلکوں کے دراز پنکھ جھکا رکھے تھے۔شہر یار نے ہاتھ بڑھا کر آنچل کو اُس کے چہرے پر گرا دیا۔اب وہ گھونگھٹ میں تھی۔باریک جالی دار آنچل میں چھپا اُس کا چاند سا روشن چہرہ جیسے اور بھی روشن لگنے لگا تھا۔مشعل کے لبوں پر ایک مسکراہٹ اُبھری۔وہ ایسے ہی پاس بیٹھا خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔پھر اُس نے اُٹھ کر روشنی بجھا دی۔اب کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔جسے فوراً ہی دیا سلائی کی پھڑ پھڑاتی لو نے روشن کر دیا۔وہ کمرے میں سجائی مختلف چھوٹی بڑی موم بتیاں روشن کرنے لگا۔دھیرے دھیرے کمرہ سنہری کرنوں سے روشن ہونے لگا۔ایسا کرنے کے بعد وہ پھر سے مشعل کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔وہ بالکل موم کی مورت بنی بیٹھی تھی۔گھونگھٹ اُس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔شہر یار نے ہاتھ بڑھا کر گھونگھٹ کو دھیرے دھیرے اُوپر اُٹھایا۔

''کچھ رسمیں کبھی ختم نہیں ہونی چاہئیں اور یہ خوبصورت رسم بھی بالکل ایسی ہی ہے۔'' شہر یار نے

مشعل کے جھکے ہوئے چہرے کو اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

اُس نے اپنی دراز پلکوں کو ایک لمحے کے لیے اُوپر اُٹھایا اور شہریار پر نظر پڑتے ہی اُس نے پھر سے پلکیں جھکا لیں۔

شہریار مسکاتے ہوئے بولا ''اُف! کیا اب بھی ہم سے شرم آرہی ہے؟''

''نہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ کہیں آپ کو ہماری نظر نہ لگ جائے۔'' اُس نے پہلی بار اپنے لب کھولے تھے اور وہ بھی یہ کہنے کے لیے کہ کہیں آپ کو ہماری نظر نہ لگ جائے۔

شہریار یہ سن کر بولا ''اگر ایسا ہوتا تو پہلے آپ کو ہماری نظر نہ لگ جاتی۔'' یہ کہتے ہوئے شہریار نے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

مشعل شرما کر اور بھی سمٹ گئی تھی۔ اب وہ اُس کے اتنا قریب تھا کہ وہ ہوش سے بیگانہ ہونے لگی تھی۔ جلتی ہوئی موم بتیاں پگھل پگھل کر بجھ گئیں۔ رات دھیرے دھیرے اب دن میں ڈھلنے والی تھی۔ ابھی دن نکلنے میں وقت تھا جب دفعتاً دروازے پر تیز تیز دستک ہونے لگی۔

شہریار کی آنکھ کھلی دستک مسلسل جاری تھی۔ وہ جھنجھلاتے ہوئے اُٹھا۔ اس کی نظر مشعل پر پڑی جو گہری نیند میں تھی۔ اُس نے مشعل کو ہلا کر جگایا۔ مشعل کی آنکھ کھلتے ہی اُس نے اپنا حلیہ درست کیا۔ شہریار نے ابھی تک دروازہ نہیں کھولا تھا لیکن ابھی بھی دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ پھر شہریار نے اُٹھ کر دروازہ کھولا سامنے صالحہ بیگم کھڑی تھیں۔

''مما آپ؟''

شہریار نے دھیرے سے کہا تو صالحہ بیگم اُس کا بازو اپنی طرف کھینچ کر اُسے ساتھ لے گئیں۔

''شہریار! بیٹا ایک بری خبر ہے۔'' یہ کہتے ہوئے صالحہ بیگم کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

''کیا بات ہے مما؟ کیا ہوا؟'' شہریار نے اپنی مما کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا! صنم کو ہارٹ اٹیک آیا ہے اور وہ اس وقت ہسپتال میں ہے۔''

''کیا......؟ کب ہوا یہ سب مما؟ کیسے ہوا؟'' شہریار نے پریشان ہوتے ہوئے ایک ساتھ کئی

سوال کر ڈالے۔

''بیٹا! ابھی تھوڑی دیر پہلے مشعل کے بابا عدنان بشیر نے ہمیں فون پر اطلاع دی ہے۔تمہارے پپا اُنھیں فون پر تسلی دے رہے ہیں اور اب میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں مشعل کو بتا دینا چاہیے۔

صالحہ بیگم کی بات مکمل ہوتے ہی شہر یار بولا'' مما! مشعل کو میں بتا دیتا ہوں۔آپ پپا سے بولیں ہم ابھی ہسپتال چلیں گے۔''

یہ سنتے ہی صالحہ بیگم اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور شہر یار کچھ دیر ساکن کھڑا الفاظ ڈھونڈ تا رہا کہ وہ مشعل کو اس بری خبر سے کیسے آگاہ کرے۔

پھر وہ تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔اُس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مشعل اپنی نشست سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔وہ مشعل کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا:

''مشعل! جو بات میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں اُسے سننے کے بعد وعدہ کرو تم حوصلہ رکھو گی۔''

یہ سن کر مشعل کی متعجب نگاہوں میں جو سوال اُٹھ رہے تھے اُنھیں نظر انداز کیے بغیر شہر یار بولا:

''مشعل! صنم کو ہارٹ اٹیک آیا ہے اور وہ اس وقت ہوسپٹل میں ہے۔''

مشعل یہ سنتے ہی جیسے تلملا اُٹھی۔

''میں نے کہا تھا ناں مشعل تم حوصلہ رکھو گی۔ہم سب ہوسپٹل جا رہے ہیں۔'' شہر یار نے اُسے اپنے کاندھے کا سہارا دیتے ہوئے کہا۔

اُسی وقت اُنھیں صالحہ بیگم کی آواز بھی سنائی دی۔

''شہر یار بیٹا! جلدی سے آجاؤ آپ کے پپا باہر انتظار کر رہے ہیں۔'' صالحہ بیگم کمرے کے باہر سے ہی آواز دے کر چلی گئی تو شہر یار بھی مشعل کو لے کر باہر کی جانب بڑھا۔وہ ایک بڑی سی چادر اوڑھے ہوئے تھی اور اس وقت اپنی بہن صنم کے لیے دُعائیں کر رہی تھی۔پھر شہر یار اور مشعل کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسپتال کی جانب بڑھا دی۔

راستہ بھر سفیان غوری اور صالحہ بیگم مشعل کو تسلیاں دیتے رہے کہ وہ حوصلہ رکھے اور دعا کرے اللہ

بہتر کرے گا۔تھوڑی ہی دیر میں وہ ہسپتال پہنچ گئے تھے۔ابھی پوری طرح سے دن نمودار نہیں ہوا تھا بلکہ ملگجا سا چھایا ہوا تھا۔ہسپتال کی عمارت سے باہر لگے درختوں پر پرندوں نے شور مچا رکھا تھا۔جب وہ گاڑی سے اُترے تو ڈرائیور گاڑی لے کر پارکنگ اسٹینڈ کی جانب بڑھ گیا تھا۔پھر وہ چاروں ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے۔سفیان غوری نے ہسپتال کے قریب پہنچتے ہی عدنان بشیر سے رابطہ کر لیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اُن کے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ اُنھیں ایک طرف سے آتے دکھائی دیے۔وہ بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔اُنھوں نے قریب پہنچتے ہی مشعل کے سر پر ہاتھ رکھا اُسے تسلی دی اور وہ سب کے ساتھ ایمرجنسی کی جانب بڑھے جہاں صنم کو اس وقت رکھا گیا تھا۔راہداری میں آگے جا کر بائیں جانب مڑتے ہی اُنھیں عبید احمد اور فاطمہ بی کھڑے دکھائی دیے۔جبکہ شادی میں شرکت کے لیے آئے مہمان جو گھر پر ہی ٹھہرے ہوئے تھے وہ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

مشعل روتے ہوئے فاطمہ بی کی جانب بڑھی''فاطمہ بی! یہ سب کیسے ہوا؟''

وہ پاس کھڑے عبید احمد کی جانب بھی سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔فاطمہ بی مشعل کو بتاتے ہوئے خود بھی آبدیدہ ہوگئی۔پھر قریب کھڑے عبید احمد مشعل کو بتانے لگے۔

''صنم سونے کے لیے لیٹی ہی تھی جب اچانک وہ اُٹھ بیٹھی اور کہنے لگی کہ اُسے سارے وجود میں شدید درد کا احساس ہو رہا ہے۔میں نے اُسے پانی پلایا لیکن چند گھونٹ پیتے ہی اُس پر دورہ پڑا اور وہ تڑپنے لگی۔ہم اُسی وقت صنم کو لے کر ہسپتال آ گئے۔تھوڑی دیر پہلے ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ صنم کا ہارٹ صحیح کام کر رہا ہے اُسے ہارٹ اٹیک نہیں آیا تھا جبکہ باقی تفصیلات رپورٹ آنے پر پتہ چلیں گی۔''

یہ سن کر قریب کھڑے شہریار نے عبید احمد کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسے تسلی دی۔اگرچہ صالحہ بیگم بھی اُن کے ساتھ پوری ہمدردی ظاہر کر رہی تھی لیکن درحقیقت وہ شدید غصے میں تھی۔اُس کے اکلوتے بیٹے کا آج ولیمہ تھا۔یوں صنم کے ہسپتال پہنچنے پر جیسے اُس کے ارمانوں پر پانی پھر گیا تھا۔وہ ایک جانب بیٹھی غصے سے گھورتے ہوئے عدنان بشیر اور فاطمہ بی کی جانب دیکھتی اور دل ہی دل میں صنم کو کوس رہی تھی۔

''اس صنم کو بھی آج ہی ہارٹ اٹیک آنا تھا۔ہائے میرے بیٹے کی خوشیاں کیا کیا کچھ سوچ رکھا تھا

میں نے۔'' وہ ہاتھ پہ ہاتھ ملنے لگتی اور کبھی پہلو بدل کر مشعل اور اُس کے خاندان والوں کی جانب خاطر آزردہ ہو کر دیکھنے لگتی۔

سفیان غوری جو کہ عدنان بشیر کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ بولے'' بھائی صاحب! پھر ولیمے کا پروگرام ہم ملتوی کر دیتے ہیں۔ صنم بیٹی کو اللہ صحت عطا کرے تو ولیمہ پھر کر لیں گے۔'' سفیان غوری بول رہے تھے جبکہ عدنان بشیر نیچے فرش کی جانب گھورتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔

وہ بھلا کیا جواب دیتے۔ ایک بیٹی کی خوشی کا موقعہ تھا تو دوسری بیٹی ایمرجنسی میں پڑی تھی۔ وہ خاموش ہی رہے۔ اتنے میں ایک ڈاکٹر ان کے پاس آیا۔ ڈاکٹر کے ہاتھ میں رپورٹس تھیں۔

وہ اُن کے پاس آتے ہی بولا'' مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ مریضہ کی دونوں کڈنیز کام کرنا چھوڑ چکی ہیں۔ جان بچانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صحت مند کڈنی اُنھیں ٹرانسپلانٹ کر دی جائے۔''

ڈاکٹر کی یہ بات سنتے ہی فاطمہ بی تو جیسے اپنے پیروں پر لڑکھڑا سی گئی۔ جنھیں سنبھالتے ہوئے مشعل نے کرسی پر بٹھایا۔ عبید احمد صنم کے شوہر اور پپا عدنان بشیر سبھی سکتے میں لگ رہے تھے۔ مشعل نے ہمت سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

''ڈاکٹر صاحب! ہمارے پاس وقت کتنا ہے؟'' یہ بولتے ہوئے اُس کے الفاظ کانپ رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آپ لوگوں کے پاس وقت بہت کم ہے زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹوں میں آپ کو ایک گردے کا انتظام کرنا ہے اور ہاں ایک ضروری بات رپورٹس سے پتہ چلا ہے کہ مریضہ کسی قسم کی ادویات استعمال کرتی رہی ہیں جن کے زیادہ عرصہ استعمال سے آج انہیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر آپ اُن ادویات سے متعلق معلومات دے سکیں تو ہمیں علاج کرنے میں آسانی ہوگی۔''

ڈاکٹر کی یہ بات سنتے ہی عبید احمد بولے لیکن صنم کو میں نے کبھی کوئی ادویات استعمال کرتے نہیں دیکھا۔

مشعل نے عبید کی بات سنی تو فوراً بولی'' عبید بھائی! مجھے علم ہے۔ صنم پچھلے چند ماہ سے کچھ ادویات

استعمال کر رہی تھی۔''

ڈاکٹر مشعل کی بات سن کر بولا'' پلیز! اگر وہ میڈیسن آپ لے آئیں تو بہتر ہوگا۔''

عدنان بشیر جواب تک پاس چپ کھڑے تھے۔ وہ بھی بولے'' ڈاکٹر صاحب! کیا ہم اپنی بچی سے مل سکتے ہیں؟''

یہ سن کر ڈاکٹر بولا'' دیکھئے! اس وقت وہ بہت نازک حالت میں ہیں۔ ہم نے اُنھیں سلا رکھا ہے تا کہ اُنھیں زیادہ تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔ میرا کہنا ہے کہ آپ وقت ضائع نہ کریں جلد سے جلد ایک کڈنی کا انتظام کریں۔'' ڈاکٹر یہ کہہ کر چلا گیا۔

'' یا اللہ! اتنے کم وقت میں گردے کا انتظام کیسے ہوگا؟'' فاطمہ بی غم میں نڈھال بول رہی تھیں۔

شہر یار اس وقت اُن کے پاس ہی کھڑا تھا۔ یہ سن کر فوراً بولا'' مما! آپ فکر نہ کریں میں کوشش کرتا ہوں۔''

شہر یار کی بات سن کر سفیان غوری بولے'' بیٹا شہر یار! سب کو فون کر دو کوئی نا کوئی ایسا شخص مل ہی جائے گا جو ہمیں اپنا ایک گردہ دے دے گا۔'' پھر وہ فاطمہ بی اور عدنان بشیر کی طرف متوجہ ہو کر بولے:

'' بہن جی! بھائی صاحب آپ بالکل نہ گھبرائیں میں بھی پوری کوشش کرتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو ایک گردے کا انتظام ہو ہی جائے گا۔''

پھر سبھی کانوں کے ساتھ فون لگائے مختلف لوگوں سے رابطہ کرنے لگے۔

مشعل عبید کے پاس آئی'' عبید بھائی! آپ میرے ساتھ گھر چلیے ہمیں وہاں سے وہ میڈیسین لانی ہوں گی جو صنم آپی استعمال کرتی رہی ہیں۔''

مشعل کی یہ بات سن کر عبید احمد جو اس بات کو لے کر غصے سے کھول رہا تھا کہ صنم نے اتنی اہم بات اُس سے چھپائے رکھی۔ وہ مشعل کی بات سن کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ پھر اُسے یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب نہیں لگا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خاموش ہی رہا اور مشعل کو لے کر گھر کی جانب بڑھ گیا۔ پہلے راستے میں عبید احمد کا گھر ہی آتا تھا۔ یوں وہ پہلے وہیں رُکے۔ دونوں نے مل کر سارا گھر چھان مارا لیکن اُنھیں ادویات نہیں ملیں۔ پھر مشعل عبید احمد کو لے کر اپنے گھر آ گئی۔ رحمن بابا، اُن کی بیگم سکینہ اور کچھ عزیز جو

گھر پر ہی تھے سب ہال میں بیٹھے صنم سے متعلق ہی جاننا چاہ رہے تھے۔مشعل اور عبید احمد کے ہال میں داخل ہوتے ہی سبھی نے اُٹھ کر صنم کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔انھوں نے مختصر سا جواب دیا اور پھر وہ اُس کمرے کی جانب بڑھے جو صنم کے استعمال میں تھا۔کمرے کی طرف جاتے ہوئے عبید احمد نے مشعل کے چہرے کی طرف دیکھا جو اپنے ایک ہاتھ سے بہتے آنسو پونچھ رہی تھی۔اُس نے اپنی جیب میں سے ٹشو پیپر نکال کر مشعل کی جانب بڑھایا جسے لے کر مشعل نے اپنی بھیگتی آنکھیں صاف کیں۔اب وہ دونوں کمرے میں ادویات تلاش کر رہے تھے۔عبید احمد نے بیڈ کے ساتھ لگے سائیڈ ٹیبل دیکھنے شروع کر دیے تھے۔جبکہ کمرے میں موجود بڑی سی الماری میں مشعل تلاش کر رہی تھی۔چند منٹوں میں اُنھوں نے سارا کمرہ کھنگال ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔اب مشعل سر جھکائے بیڈ پر بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ آخر ادویات گئی کہاں۔جبکہ عبید احمد بھی بے بسی سے دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔پھر مشعل نے اُٹھ کر ہاتھ میں موجود ٹشو کو ایک کونے میں رکھی ٹوکری میں پھینکا تو دفعتاً اُس کی نظر ادویات کے پیکٹس پر پڑی۔اُس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اُنھیں اُٹھالیا۔عبید احمد کی نظر مشعل پر پڑی تو وہ بھی مشعل کے قریب آ کر اُس کے ہاتھ سے ادویات کے پیکٹس لے کر دیکھنے لگا۔پھر دونوں وقت ضائع کیے بغیر ہسپتال پہنچے اور سیدھے جا کر ڈاکٹر کو ادویات کے پیکٹس دکھائے۔ڈاکٹر کچھ دیر تک اُن پیکٹس پر درج عبارت پڑھتا رہا پھر اُس نے ایک پیکٹ کو کھولا اُس میں سے ادویات کے ساتھ ایک کاغذ بھی نکلا جس پر ادویات کے بارے میں ہدایات درج تھیں۔ڈاکٹر اُس کاغذ پر درج عبارت بھی کچھ دیر پڑھتا رہا۔پھر اُس نے وہ کاغذ مشعل کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا:

''دیکھیئے! اس پر واضح الفاظ میں درج ہے کہ ان ادویات کا استعمال گردوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ادویات صرف معالج کے مشورے سے ہی استعمال کرنی چاہئیں۔اس سب کے باوجود نہ ہی ہم لوگ ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں اور نہ ہی ان ادویات کے پیکٹس میں موجود ان ریپرز کو کھول کر پڑھتے ہیں۔''

مشعل اور عبید احمد نے ڈاکٹر کی یہ بات سنی تو وہ خاموش ہی رہے۔وہ اتنے غم زدہ تھے کہ وہ کچھ بول ہی نہ پائے۔پھر دونوں وہاں سے اُٹھ کر وارڈ میں موجود سبھی لوگوں کے پاس آ گئے۔اب صورت

حال یہ تھی کہ عدنان بشیر ایک جانب کھڑے لوگوں کو فون پر آگاہ کر رہے تھے کہ آج دعوت ولیمہ نہیں ہو رہا اُن کی بیٹی (آئی سی یو) میں ہے۔ جبکہ دوسری جانب سفیان غوری صالحہ بیگم اپنے اپنے عزیز واقارب کو فون پر اطلاع دے رہے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو معلوم ہونے پر خود کال کر کے افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ مشعل اب ایک طرف دیوار کا سہارا لے کر اُداس کھڑی تھی۔ جب شہر یار مشعل کے پاس آ کر بولا:

''مشعل! کچھ دیر پہلے میری فون پر بات ہوئی ہے۔ ہمیں ایک شخص مل گیا ہے جو کہ اپنی کڈنی دینے کے لیے تیار ہے۔'' پھر وہ پاس کھڑے عبید احمد سے مخاطب ہوا کر بولا:

''عبید احمد! آپ گھبرائیں نہیں۔ میں اُس شخص کو ابھی لے کر آتا ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

مشعل نے شہر یار کی جانب دیکھا۔ وہ اس موقعہ پر بے بسی کی تصویر بنی فقط اُسے مشکور کن نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ شہر یار نے بھی نگاہوں میں ہی اُسے حوصلہ رکھنے کو کہا۔ وہ ہسپتال کی عمارت سے نکلا اور پارکنگ اسٹینڈ کے پاس آیا۔ جہاں ڈرائیور پہلے سے ہی گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اُس نے ڈرائیور کو دفتر چلنے کو کہا۔ تو ڈرائیور نے گاڑی دفتر کی جانب بڑھا دی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دفتر پہنچ گئے تھے جہاں دفتر کے منیجر نے شہر یار کو ایک شخص سے ملوایا۔

''سر! یہ مشتاق ہے۔ ہمارے پاس پچھلے اٹھارہ برس سے کام کر رہا ہے۔ یہ اپنا ایک گردہ دینے کے لیے تیار ہے۔''

یہ سن کر شہر یار فوراً مشتاق کو لے کر ہسپتال کی جانب بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر نے صرف اُنہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دے رکھا ہے۔ وہ ہسپتال کی جانب بڑھ رہے تھے جب راستے میں شہر یار نے مشتاق سے دریافت کیا:

''مشتاق! تم اپنا گردہ کیوں دے رہے ہو؟ کہیں منیجر نے تم پر اس مقصد کے لیے کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا تھا؟''

شہر یار کا سوال سن کر مشتاق فوراً بولا ''نہیں نہیں صاحب! ہمارے منیجر صاحب تو بڑے اچھے آدمی ہیں۔ دراصل میرے ہی حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ مجھے ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔''

شہر یار نے مشتاق کی یہ بات سنی تو بڑے تجسس کے ساتھ اُس سے حالات کے بارے میں دریافت کیا۔

جس پر مشتاق ہچکچاتے ہوئے بولا ''صاحب اللہ آپ کو خوش رکھے آپ ہم ورکرز کے بچوں کی شادی پر امداد دیتے ہیں تو ہمارا کچھ بوجھ کم ہوجاتا ہے۔صاحب! میری بیٹی کی شادی ہونے جارہی ہے جو کمپنی نے تیس ہزار دیے تھے اُس سے میں نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کی چند چیزیں خرید لی تھیں لیکن اب جبکہ دو روز بعد میری بیٹی کی بارات آنی ہے میرے ہونے والے داماد نے ایک موٹر بائیک کا مطالبہ کردیا ہے۔ورنہ وہ بارات واپس لے جائے گا۔غریب لوگ ہیں صاحب ایک بار بارات واپس لوٹ گئی تو پھر میری بیٹی سے بھلا کون شادی کرے گا۔لوگ سو سو کیڑے نکالیں گے میری بیٹی میں۔'' مشتاق یہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہوگیا تھا۔

''اور اب تم اپنا ایک گردہ بیچ رہے ہو۔'' شہر یار نے مشتاق کی باتوں کا نتیجہ نکالا جس پر مشتاق صرف سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہسپتال پہنچ گئے تھے۔پہلے مشتاق کے ٹیسٹ ہونے تھے جن کے لیے ڈاکٹر اُسے اپنے ساتھ لے کر لیبارٹری چلا گیا۔شہر یار کے اس اقدام سے سب کو کچھ حوصلہ ہوگیا تھا لیکن چوبیس میں سے اب آٹھ گھنٹے بیت چکے تھے۔جبکہ عدنان بشیر ابھی بھی کان سے فون لگائے کسی کو ولیمہ نہ کرنے کی وجوہات بتا رہے تھے۔وہ صبح سے ہی لوگوں کو بتا بتا کر ہلکان ہو رہے تھے کہ ان کی بڑی بیٹی انتہائی نگہداشت کی وارڈ میں داخل ہے۔ایسی صورت میں وہ اپنی چھوٹی بیٹی کی دعوت ولیمہ کیسے کر سکتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو شادی کارڈ پر درج ہوٹل کے پتے پر پہنچنے کے بعد فون پر رابطہ کر رہے تھے۔سفیان غوری اور صالحہ بیگم بھی ایسی ہی صورت حال کا شکار تھے۔صالحہ بیگم نے تو غصے سے اپنا فون ہی بند کر دیا تھا اور وہ اندر ہی اندر غصے سے کھول رہی تھی کہ اُس کے اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی پر کتنے ہی ارمان تھے۔سب ہی ادھورے رہ گئے۔

پھر دو گھنٹے مزید بیت گئے۔جب ڈاکٹر نے آکر یہ بات بتائی کہ مشتاق کا خون ہی مریضہ سے نہیں ملتا۔یہ سنتے ہی سب کو شدید دُکھ ہوا۔پھر ڈاکٹر کی یہ بات سنتے ہی عبید احمد اور عدنان بشیر اپنے جاننے

والے لوگوں سے رابطہ کرنے لگے۔شہر یار نے دیکھا مشتاق راہداری کے آخری سرے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اُس کے پاس پہنچا اور اُس کی جیب میں اس وقت جتنے بھی پیسے تھے وہ اُس نے مشتاق کی جانب بڑھا دیے جنھیں لیتے ہوئے وہ ہچکچا رہا تھا۔شہر یار نے زبردستی مشتاق کی جیب میں پیسے ڈال دیے اور پھر وہ سبھی کے بیچ واپس آ گیا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا یہی وجہ تھی کہ اُن کی پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ مشتاق کی صورت میں ایک اُمید پیدا ہوئی تھی لیکن پھر وہ بھی بجھ گئی۔شہر یار اُس کی مما صالحہ بیگم پپا سفیان غوری سبھی کو تسلیاں دے رہے تھے۔ساتھ ہی ساتھ شہر یار کا رابطہ اپنی کمپنی کے منیجر سے بھی برابر جاری تھا۔ پھر اُس نے محسوس کیا وہاں سبھی لوگ موجود تھے لیکن مشعل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا جب مشعل سامنے سے آتی دکھائی دی۔

پھر قریب آتے ہی وہ بولی ''بابا! فاطمہ بی ہم ڈاکٹر سے مل کر آ رہے ہیں۔ ہمارا اور صنم آپی کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے۔ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے کہ ہم صنم آپی کو اپنا ایک گردہ دیں گے۔''

مشعل کے یہ بات کرتے ہی قریب موجود صالحہ بیگم کے وجود پر جیسے بجلی گری۔ وہ اب تک سب کچھ خاموشی سے برداشت کر رہی تھی لیکن اب مشعل کی یہ بات سن کر چپ نہ رہی اور تیزی سے اُٹھ کر بولی:

''مشعل! تم ہوش میں تو ہو یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' فاطمہ بی نے صالحہ بیگم کے بدلتے تیور دیکھے تو فوراً بولی ''بچی ہے۔ابھی ناسمجھ ہے میں اسے سمجھا دیتی ہوں بہن''

صالحہ بیگم فاطمہ بی کی یہ بات سن کر خاموش ہوگئی۔

''مشعل! یہ تم کیا کہہ رہی ہو'' فاطمہ بی نے مشعل کے بالکل قریب آ کر کہا۔

''فاطمہ بی! ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں اور ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

مشعل کی یہ بات سنتے ہی صالحہ بیگم فوراً بولی ''ایک بار پھر اچھی طرح سے سوچ لو مشعل''

یہ سن کر مشعل صالحہ بیگم کے بالکل قریب آ کر اُس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگی جہاں اُسے صرف بے رُخی دکھائی دی۔

وہ بے بسی سے بولی ''مما! میری بہن صنم کی زندگی مٹھی میں بند ریت کے زروں جیسے سرکتی جا رہی

ہے۔اب......اب سوچنا کیسا؟''

''تو پھر ٹھیک ہے تم ابھی ایک فیصلہ کرو'' یہ کہتے ہوئے صالحہ بیگم اپنے بیٹے شہر یار کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

مشعل نے ایک نظر صالحہ بیگم اور شہر یار کی جانب دیکھا وہ سمجھ گئی تھی کہ صالحہ بیگم کس فیصلے کی بات کر رہی ہے۔ زندگی نے اُسے ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک طرف اُس کی جیون بھر کی خوشیاں تھیں اُس کے خواب تھے جو اُس کی سوچ سے بھی زیادہ حسین تھے تو دوسری جانب پیاری معصوم سی بہن کی زندگی کا سوال تھا۔ اگر وہ صرف اپنی ذاتی خوشیوں کا انتخاب کرے تو پھر شاید اُس کی بہن زندہ نہ رہے اور بہن کی جان بچانے کے لیے اُسے اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹنا پڑے گا۔ وہ اس وقت اسی کشمکش میں تھی۔

اُس کا شوہر شہر یار غوری، بہنوئی عبید احمد، بابا عدنان بشیر اور سسر سفیان غوری سبھی حیران ہو کر یہ سب دیکھ رہے تھے۔

اُس کی ماں فاطمہ بی مضطرب ہو کر بولی ''مشعل! یہ سب تم کیا کر رہی ہو بیٹی؟''

فاطمہ بی کی بات سن کر مشعل بولی ''ہم ٹھیک کر رہے ہیں فاطمہ بی! ایسے موقعے پر ہمیں یہی کرنا چاہیے۔''

مشعل کی اس بات سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اُس نے اپنی خوشیاں قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اتنے میں ایک نرس کچھ کاغذات لے کر وہاں پہنچی۔

''مس مشعل کون ہیں؟'' نرس نے کہا تو مشعل آگے بڑھی۔

نرس پھر بولی ''آپ کو یہاں دستخط کرنے ہیں۔ اس کے بعد ہی آپ کا آپریشن ہوگا۔''

نرس کی بات سن کر مشعل نے کاغذ اور قلم اُس کے ہاتھ سے لیا اور جیسے ہی وہ دستخط کرنے لگی صالحہ بیگم اُس کے سامنے آ گئی۔

''ٹھہرو مشعل! ان کاغذات پر دستخط کرنے سے پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو کہ پھر تمہارا ہمارے ساتھ کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔''

یہ سنتے ہی شہر یار اپنی مما کے پاس آیا ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مما''

صالحہ بیگم نے شہر یار کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ مشعل نے حیرانگی سے پھیلتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ صالحہ بیگم کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں صرف خودغرضی دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے شہر یار کی جانب دیکھا وہ اس ساری صورت حال میں سب سے زیادہ گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔

پھر شہر یار مشعل کے پاس آ کر بولا ''میں کوشش کر رہا ہوں مشعل! کچھ نہ کچھ انتظام ہو ہی جائے گا۔'' اُس نے یوں کہا جیسے وہ اُسے ایسا کرنے سے روکنا چاہ رہا تھا۔

''شہر یار! اور کب انتظام ہوگا جب صنم آپی...............'' وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

وہ آگے بول نہیں پائی تھی کہ اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ پھر اُس نے ہاتھ میں پکڑے قلم سے کاغذات پر دستخط کرنے سے پہلے شہر یار سے ایک سوال پوچھا۔

''شہر یار! اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم کیا کرتے؟'' شہر یار کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ مشعل نے اگلے ہی لمحے کاغذات پر دستخط کرنے شروع کر دیے تھے۔ صالحہ بیگم نے حقارت بھری نگاہوں سے مشعل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا کہ اُسے جلد طلاق کے کاغذ ت مل جائیں گے اور پھر شہر یار کا بازو کھینچتے ہوئے اُس نے سفیان غوری کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔

سفیان غوری صالحہ بیگم کو روکنے کے لیے پیچھے دوڑے جو کہ شہر یار کا بازو مضبوطی سے تھامے اُسے اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔ شہر یار نے راہداری کے آخری سرے پر پہنچ کر مڑ کر دیکھا مشعل نرس کے ساتھ جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر جیسے شہر یار کا کلیجا چھلنی ہو گیا لیکن صالحہ بیگم اُسے کھینچتی ہوئی اپنے ساتھ لے گئی۔

نرس مشعل کو لے کر لیبارٹری پہنچی جہاں پہلے اُس کے ٹیسٹ ہونے تھے۔ پھر مشعل کی ٹیسٹ رپورٹ آنے کے بعد ڈاکٹر نے مشعل کے گردے کو صنم کے لیے ہر لحاظ سے مناسب قرار دیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر نے اُنھیں فوراً خون کا انتظام کرنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ چند گھنٹوں میں ہی آپریشن شروع ہونا تھا۔ عبید احمد اور عدنان بشیر مشعل کی زندگی میں آئے طوفان کو وقتی طور پر بھول کر خون کا انتظام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ پھر چند گھنٹوں بعد ہی وہ طویل آپریشن شروع ہوا جس میں مشعل کے جسم سے ایک گردہ

نکال کر صنم کے جسم میں ٹرانسپلانٹ کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے آپریشن ہال سے باہر آ کر مبارک باد دی کہ آپریشن کامیاب رہا ہے۔ یہ سن کر سبھی نے اللہ کا شکر ادا کیا لیکن ایک خلش سی باقی تھی جو مشعل کی زندگی کو لے کر تھی۔

''خدا جانے اب میری بچی مشعل کا کیا ہوگا؟'' فاطمہ بی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

باب 24

چند گھنٹے پہلے دونوں بہنوں کو ہوش آ چکا تھا۔ دونوں کو ایک ہی کمرے میں رکھا گیا تھا۔ مشعل کے دیے گردہ سے صنم کی زندگی [illegible]ط ہو گئی تھی۔ اس وقت کمرے میں اُن کے پاس فاطمہ بی اور عبید احمد تھے۔ عبید احمد آج ہی اذان کو صنم سے ملوانے کے لیے لائے تھے۔ صنم اذان کو اپنے پاس بٹھائے پیار کر رہی تھی۔ جب اُس نے فاطمہ بی سے ایک سوال کیا۔

''فاطمہ بی! شہریار اور اُس کے مما پپا مجھ سے ملنے نہیں آئے؟''

فاطمہ بی نے صنم کی بات سنی تو خاموش رہی۔ کیونکہ وہ ابھی یہ بات اُس سے چھپائے رکھنا چاہتی تھی لیکن مشعل جو کہ مسلسل چھت کی جانب دیکھتے ہوئے نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی فاطمہ بی کو یوں خاموش پا کر فوراً بولی:

''صنم آپی! اب وہ کبھی نہیں آئیں گے۔''

''کیا مطلب مشعل؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔''صنم نے مشعل کی بات سن کر متعجب ہو کر کہا۔

''صنم آپی! صالحہ بیگم میرے اس اقدام پر رشتہ ختم کر چکی ہیں۔''

''مجھے طلاق مل رہی ہے۔''

''کیا؟''صنم یہ سن کر تلملا اُٹھی۔

دفعتاً ہی عبید احمد اُٹھ کھڑے ہوئے جو کہ یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ وہ اُٹھتے ہی بولے:

''صنم! تم نے میری ایک نہ سنی۔ کتنا منع کیا کرتا تھا میں تمہیں ان ادویات کے بے دریغ استعمال سے۔ تم نے اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ مشعل کی زندگی بھی تباہ کر ڈالی۔''

یہ کہتے ہوئے اُس نے صنم کے پاس بیٹھے اذان کو اُٹھایا اور بولا:

''اب میں تمہاری زندگی سے جا رہا ہوں۔''

عبید احمد یہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ مشعل نے کچھ اُوپر اُٹھتے ہوئے آواز دی۔

''عبید بھائی! رکیے'' ساتھ ہی درد کی شدت سے وہ واپس لیٹ گئی۔

فاطمہ بی اُٹھ کر عبید احمد کے پیچھے دوڑی اور پھر رُک گئی۔ وہ واپس کمرے میں آئی اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنی دونوں بیٹیوں کو یوں تسلیاں دینے لگی جبکہ وہ خود بھی اس وقت اپنے پیروں پر مشکل سے کھڑی تھی۔ اُسی وقت عدنان بشیر کمرے میں داخل ہوئے۔ سب کو روتا دیکھ کر وہ بے تابی سے بولے''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ عبید بھی مجھ سے بولے بغیر میرے قریب سے یوں بیگانوں کی طرح گزر گیا۔ سب ٹھیک تو ہے؟''

اپنے بابا عدنان بشیر کی بات سن کر صنم نے روتے ہوئے کہا''بابا جانی! عبید احمد مجھ سے خفا ہو کر چلے گئے۔ وہ میرے بیٹے اذان کو بھی لے گئے۔ بابا! مجھے میرا بیٹا اذان لا دیں۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عدنان بشیر یہ سب سن کر جیسے ڈھے سے گئے۔ اب تک عبید احمد ان کا ایک بازو بنا ساتھ کھڑا تھا۔ اب وہ بھی چلا گیا۔ اُنھوں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے صنم کو دلاسا دیا۔ جبکہ اس وقت اُنھیں خود بھی کسی کے سہارے کی ضرورت تھی۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے وہ دُکھوں کی آندھی کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ یہ پے

در پے اُنھیں نئی سے نئی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔مشعل کی شادی کے لیے وہ پہلے ہی بنک سے قرضہ لے چکے تھے۔اب یوں اچانک صنم کے گردے فیل ہونے پر اُس کے علاج کے لیے اُنھیں گھر بیچنا پڑ رہا تھا۔چونکہ فوری طور پر گھر بیچنا پڑا تھا۔یہی وجہ تھی جو فوری گاہک ملا اُنھوں نے سودا کر ڈالا۔گھر خریدنے والے شخص نے فوراً اُنھیں نصف سے زیادہ پیسہ ادا کر دیا تھا جو کہ مشعل اور صنم کے علاج اور مہنگی ادویات کی صورت میں خرچ ہو رہا تھا۔عدنان بشیر نے جس شخص کو گھر بیچا تھا اُن سے چند ہفتوں کی مہلت لے لی تھی کہ جب اُن کی بچیاں تندرست ہو کر گھر پہنچ جائیں گی وہ کوئی گھر کرائے پر لے کر اپنا گھر خالی کر دیں گے۔

باب 25

شہر یار کو اس بات کا شدت سے احساس تھا اور وہ اپنے آپ سے نالاں بھی تھا کہ جب مشعل کو اُس کی حقیقی معنوں میں ضرورت تھی وہ اُس کا ساتھ نہیں دے پایا۔اُس کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑا نہ ہو سکا۔نہ جانے کیوں وہ اُس ایک لمحے میں کوئی فیصلہ کیوں نہ کر پایا۔جب اُس کی مما مشعل سے طلاق کا کہہ کر اُسے اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔وہ خود کو مشعل کا قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔پھر ایک روز وہ ڈاکٹر زوار سے ملا۔اُس نے ساری صورت حال سے زوار کو آگاہ کیا جسے سن کر زوار کو بہت افسوس ہوا۔اُسے سب سے زیادہ دکھ صالحہ بیگم کے روّیے کے بارے میں جان کر ہو رہا تھا۔پھر زوار نے شہر یار کو سمجھایا کہ ایک گردے کے ساتھ بھی کوئی انسان اپنی معمول کی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اگر کچھ مشکلات ہوں بھی تو کیا؟ آخر وہ اُس کی بیوی ہے۔اس بات پر کہ اُس نے اپنی بہن کی جان بچانے کے لیے اپنا ایک گردہ اُسے دے دیا۔طلاق دے دینا کہاں کا انصاف ہوگا۔بلکہ مشعل کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔یہ سن کر شہر یار نے زوار کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ یہی بات اُس کی مما کو سمجھائے۔ہوسکتا ہے اُس کی ان باتوں سے اُن کا دل نرم پڑ جائے اور وہ مشعل کو گھر لانے پر راضی ہو جائیں۔آج اسی سلسلے

میں وہ شہریار کے گھر آیا ہوا تھا۔شہریار اور زوار دونوں صالحہ بیگم کے پاس ہال میں ہی بیٹھے ہوئے تھے جب زوار نے بات شروع کی۔

''آنٹی! مجھے معلوم ہوا تو میں چلا آیا۔ مجھے یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا۔ میں جانتا ہوں آپ کے بھی بہت سے ارمان تھے جو......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

صالحہ بیگم بیچ میں ہی بول پڑی''ہاں، ہاں کھل کے بات کرو کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

صالحہ بیگم نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اُنھیں زوار کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔زوار جو کہ صالحہ بیگم کی بات سن کر خاموش ہو چکا تھا اُس نے بھی محسوس کیا کہ وہ جو بھی کہنے آیا ہے اُسے صاف واضح طور پر کہہ دینا چاہیے۔

وہ بولا''آنٹی! میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ مشعل ایک کڈنی کے ساتھ بھی اپنی نارمل زندگی گزار سکتی ہے۔آپ کو یہ طلاق والی بات نہیں کرنی چاہیے۔''

صالحہ بیگم زوار کی بات پوری ہونے تک غصے سے آگ بگولا ہو چکی تھی۔ پھر وہ غصے سے بولی:

''اچھا تو اب ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے ہمیں ہی مشورہ دیں گے کہ ہمارے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ارے میاں! تم تو خود آستین کے سانپ نکلے۔''

صالحہ بیگم کی آخری بات پوری ہونے سے پہلے ہی شہریار ہڑبڑا کر بولا:

''مما! آپ یہ سب کیا بول رہی ہیں؟''

شہریار کی بات سن کر صالحہ بیگم پھر اُسی لہجے میں بولی''ہاں تو بیٹا! کیا غلط کہہ رہی ہوں۔تمہارے لیے آئے اتنے اچھے رشتے کو یہ اُڑا لے گیا۔اتنے امیر باپ کی بیٹی سے شادی ہوگی۔ ہائے! میرے ہی بیٹے کا نصیب پھوٹا تھا۔ وہ سوشل ورکر ہمارے لیے ہی رہ گئی تھی۔''

صالحہ بیگم کی یہ باتیں سن کر زوار تیزی سے اُٹھا اور بولا''آنٹی! آپ اس وقت غصے میں لگ رہی ہیں۔میں بعد میں آجاؤں گا۔''

زوار یہ کہہ کر چلا گیا لیکن صالحہ بیگم اپنی ہی دُھن میں بولتی گئی۔

''چلو اب جان چھوٹی، بلا ہمارے گلے سے اُتری۔''

شہر یار زوار کو روکنے اُس کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن پھر صالحہ بیگم کی بات سن کر رُک گیا۔

اور بولا ''مما! وہ میری بیوی ہے بلا نہیں۔''

''بیوی ہے تمہاری...... بیٹا! خوب عزت کی اُس نے تمہاری ماں کی۔ یوں بھری محفل میں اُس نے تمہاری ماں کے منہ پر طمانچہ دے ماراا اور تم کہہ رہے ہو بیوی ہے میری۔''

''مما! اُس نے وہی کیا جو ایک رشتے کو دوسرے رشتے کے لیے کرنا چاہیے تھا۔ اگر آپ اُسے طمانچہ سمجھتی ہیں تو یہ آپ کی نادانی ہے۔'' شہر یار جیسے جذباتی ہو رہا تھا۔

صالحہ بیگم شہر یار کی یہ بات سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔

''ہاں! میں ہی نادان ہوں۔ صحیح کہا تم نے میں کہتی ہوں نکل جاؤ اس گھر سے اور چلے جاؤ تم اس رشتے نبھانے والی اپنی سوشل ورکر بیوی کے پاس۔''

شہر یار یہ سب سن کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا اور پھر چند منٹوں بعد جب وہ اپنے کمرے سے باہر آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔ وہ بے حد غصے میں لگ رہا تھا۔

''مما! آپ نے تو مجھے اس کے پاس جانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی مما صالحہ بیگم کے پاس سے تیزی سے گزر کر باہر نکل گیا اور وہ بت بنی کھڑی اُسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

رات کو جب سفیان غوری گھر آئے تو صالحہ بیگم نے رو رو کر اپنا برا حال بنا رکھا تھا۔

''سفیان ہمارا بیٹا ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ نہ جانے کس حال میں ہوگا؟ کہاں ہوگا اس وقت؟''

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ صالحہ بیگم کی بات سن کر سفیان غوری بولے:

''صالحہ! ضرور تم نے ہی اُسے کچھ ایسی باتیں کی ہوں گی جس وجہ سے وہ گھر سے جانے پر مجبور ہوا۔''

سفیان کی بات مکمل ہوتے ہی صالحہ بیگم نے کہا ''ہاں! میں مانتی ہوں میں نے باتیں کیں تھیں۔ اس وقت میں غصے میں تھی۔ خاندان بھر کی عورتیں مجھے فون کر کے میرا مزاح اُڑا رہی تھیں۔ کس کس کی باتیں نہیں سننی پڑ رہیں۔ کبھی کوئی مجھے مبارک باد دینے لگتی ہے کہ ایک گردے والی بہو کو اب باقی عمر سنبھالتی رہنا۔ سفیان! تم ہی بتاؤ ایسے میں میں کیا کرتی اور ماؤں کی باتوں کا بھلا کوئی یوں برا مناتا ہے''

''اچھا صبر کرو میں پتہ کرتا ہوں۔ اپنے دوست زوار کی طرف ہی ہوگا۔''

سفیان غوری نے کہا اور ساتھ ہی زوار کو کال لگائی تو زوار کو خود بھی اس بات پر تعجب ہوا کہ شہریار گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔

''بیٹا! اگر آپ کا شہریار سے رابطہ ہو تو اُسے کہنا کہ اُس کے مما پپا اُس کے لیے بہت پریشان ہیں۔'' سفیان غوری نے کہا تو زوار نے اُنھیں تسلی دی کہ جیسے ہی اُس کا شہریار سے رابطہ ہو گا وہ اُنھیں ضرور آگاہ کرے گا۔

باب 26

مشعل اور صنم کو ہسپتال سے گھر پہنچے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ صنم کی زندگی پر جو اچانک سے موت کے سائے منڈلانے لگے تھے اور جس کے نتیجے میں سارا گھر زندہ لاش بنی صنم پر ماتم کر رہا تھا اب وہ دن قصہ پارینہ ہو چکے تھے لیکن اب مسائل نیا بھیس بدل کر سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف صنم کی جان بچانے کے صلے میں مشعل کو شہریار کی قربانی دینی پڑ رہی تھی تو دوسری طرف محبت سے ایک ایک اینٹ جوڑ کر بنائے بنگلے کو بیچنا پڑا تھا اور جسے خالی کرنے کی تاریخ بھی قریب آ رہی تھی۔ عدنان بشیر اور فاطمہ بی کو اس وقت گھر خالی کرنے سے زیادہ اپنی دونوں بچیوں کی فکر ستا رہی تھی۔ وہ مشعل اور صنم کی حالت دیکھتے تو مضطرب ہو جاتے۔ اُن کا ہنستا بستا گھر جہاں صرف زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آراستہ رہتی اب وہاں صرف یاسیت کے ڈھیرے تھے۔ صنم کا غم پھر بھی کم تھا۔ اُس کا ایک بیٹا تھا شوہر عبید احمد وقتی طور پر ناراض تھا لیکن وہ سوچتے کہ کبھی نہ کبھی وہ اپنی ناراضگی بھول کر اُسے واپس لینے آ ہی جائے گا۔

لیکن مشعل کی زندگی تو شروع ہونے سے پہلے ہی تباہ ہوگئی تھی۔شہر یار کی مما صالحہ بیگم ہسپتال میں جس طرح سے طلاق دینے والی بات کر کے گئی تھی اُس سے بہت کم لگتا تھا کہ وہ اب مشعل کو اپنائیں گے۔شہر کا وہ گھرانہ جو اپنے بیٹے کی چوتھی شادی بھی کرنا چاہیں تو اُنھیں شہر کے اعلیٰ خاندانوں کی کنواری لڑکیوں کے رشتے مل جائیں۔وہ بھلا ایک ایسی لڑکی کو کیونکر اپنائیں گے جو اپنا ایک گردہ کسی کو دے چکی ہو۔

دونوں بہنوں کو ڈاکٹر نے دو ڈھائی ماہ تک مکمل آرام کرنے کو کہا تھا لیکن جب انسان کسی ذہنی اذیت سے دو چار ہو تو آرام کی سیج پھولوں سے ہی کیوں نہ سجی ہو آرام کہاں ملتا ہے۔ایسی ہی حالت مشعل کی تھی۔وہ اپنی بہن صنم کو دیکھتی تو اندر ہی اندر غم سے کڑھتی جو ایک سوشل ورکر ہو دوسروں کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھتی ہو کسی کی تکلیف میں خود اپنا آرام بھول جاتی ہو وہ اپنے خون کے رشتے کے لیے بھلا کیوں نہ بے تاب ہوتی۔صنم جب اپنے بیٹے اذان کا نام لے لے کر روتی تو مشعل کا دل بھی روتا تھا۔پھر وہ صنم کو تسلیاں دیتی کہ عبید احمد زیادہ دن ناراض نہیں رہے گا اور بال آخر ایک دن اُسے اپنے گھر لے جانے کے لیے آ جائے گا۔صنم پھر سب کو دکھانے کے لیے بظاہر پرسکون ہو جاتی لیکن ذہنی طور پر وہ ہر لمحہ اذیت سے دو چار رہتی تھی۔اب تک گھر میں یہ ہو رہا تھا کہ جب بھی کھانے کا وقت آتا کوئی بھی کھانے کی میز پر موجود نہ ہوتا۔کوئی کھانے سے انکار کر دیتا تو کوئی اپنے کمرے میں ہی کھانا منگوا لیتا اور جب رحمن بابا یا سکینہ کھانے کے برتن کمرے سے اُٹھاتے تو کھانا جوں کا توں ہی پڑا ملتا جسے دیکھ کر اُنھیں بہت تکلیف ہوتی۔

پھر ایک روز رحمن بابا مشعل کے کمرے میں آئے۔کافی دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد جیسے اُن کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مشعل سے کوئی بات کہہ سکیں۔وہ واپس جانے کے لیے مڑے تو مشعل نے پیچھے سے آواز دی۔

’’رحمن بابا! آپ جا رہے ہیں۔‘‘مشعل کی یہ بات سن کر رحمن بابا تڑپ کر واپس مڑے اور روتے ہوئے کہنے لگے’’بی بی جی! اب ہم سے یہ سب سہا نہیں جاتا۔‘‘

’’ہم سے بھی نہیں دیکھا جاتا رحمن بابا! لیکن کیا کریں ہم؟‘‘مشعل کے جواب میں بے بسی تھی۔

''بڑے صاحب صبح ناشتہ کیے بغیر ہی چلے جاتے ہیں اور تب لوٹتے ہیں جب سب سو چکے ہوتے ہیں۔بیگم صاحبہ بھی یوں بستر سے لگی رہتی ہیں اور صنم بیٹی وہ تو کچھ بھی کھاتی پیتی نہیں۔بس اپنے بیٹے کو یاد کرتی رہتی ہیں۔بھلا وہ اچھی کیسے ہوں گی اگر وہ یونہی پریشان رہیں گی اور آپ بی بی جی......''

یہ کہتے کہتے رحمن بابا رُک گئے اور اپنے کاندھے پر موجود رومال سے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھتے ہوئے پھر بولے''بی بی جی! آپ نے بھی تو کیا حال بنالیا ہے۔اپنا کتنا مسکراتی رہتی تھی آپ۔کتنی بہادر بیٹی تھی آپ ہماری۔اب یوں......''وہ جیسے کہتے کہتے ایک بار پھر رُک گئے۔

کچھ دیر یونہی خاموشی رہی۔پھر مشعل بولی''رحمن بابا! آپ کھانا تیار کیجیے۔آج رات کا کھانا ہم سب مل کر کھائیں گے۔ہم بابا جان کو بھی کال کر دیتے ہیں تاکہ وہ بھی وقت پر آجائیں۔''

مشعل کی یہ بات سن کر رحمن بابا جیسے خوش ہو گئے اور بولے''آج ہم سب کی پسند کا کھانا بنائیں گے بی بی جی۔آج سب مل کر کھانا کھائیں گے۔''

وہ خوش ہوتے ہوئے کمرے سے چلے گئے۔رحمن بابا کے کمرے سے جانے کے بعد مشعل نے عدنان بشیر اپنے بابا کا نمبر لگایا۔

''مشعل بیٹا! سب خیریت تو ہے؟''عدنان بشیر نے کال ریسیو کرتے ہی پوچھا۔

شاید یہ درپہ اتنی تکلیفیں آئی تھیں کہ اب وہ کسی آہٹ پر بھی چونک جاتے تھے۔

''ہاں بابا جانی سب ٹھیک ہے۔آپ سے کہنا تھا کہ آج رات اگر آپ جلد آسکیں تو کھانا سب مل کر ہی کھائیں گے۔''

مشعل نے کہا تو عدنان بشیر بولے''ہاں بیٹا! کیوں نہیں۔پچھلے دنوں بہت سی چھٹیوں کا کام جمع تھا جس وجہ سے میں مصروف رہا۔آج میں جلدی آجاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے بابا جانی! خدا حافظ''

اپنے بابا سے فون پر بات کرنے کے بعد وہ گھر کے دوسرے افراد کی جانب بڑھی۔کیونکہ سبھی کو کھانے کی میز تک لانا اتنا آسان نہیں تھا۔

پھر یہ مشعل کی ہی کوشش کا نتیجہ تھا کہ رات کو کتنے ہی دنوں بعد یوں سب ایک ساتھ کھانے کی میز پر

موجود تھے۔ کھانا شروع ہوا لیکن سبھی خاموش تھے۔ مشعل نے صنم کی جانب دیکھا جو سر کو پلیٹ پر جھکائے پلیٹ میں چمچ گھماتے ہوئے کہیں خیالوں میں گم تھی۔ مشعل کچھ دیر تک اُسے یونہی دیکھتی رہی۔ پھر وہ اپنے بابا عدنان بشیر سے مخاطب ہوئی۔

''بابا! میں سوچ رہی تھی اگر ہم لوگ مل کر عبید بھائی کی طرف جائیں اور اُن سے معافی مانگیں تو وہ ضرور صنم آپی کو ساتھ لے جانے کے لیے رضامند ہو جائیں گے۔''

مشعل کی بات ابھی مکمل ہوئی ہی تھی کہ صنم جھٹ سے بولی۔

''مشعل یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ بابا یا فاطمہ بی عبید سے معافی مانگیں گے۔ ہرگز نہیں۔''

''پھر میں اکیلی چلی جاؤں گی۔'' مشعل نے کہا۔

''تم بھی کہیں نہیں جانے والی اور ویسے بھی تم کیوں جاؤ گی جب کہ سارا قصور تو میرا ہی ہے۔''

صنم یہ کہتے ہوئے اُٹھ کر روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ پھر کوئی بھی زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہرا اور ایک ایک کر کے سبھی اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

اُس رات مشعل اپنے کمرے میں آ کر دیر تک اس موضوع پر سوچتی رہی۔ بالآخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ صبح پہلے اپنی فاؤنڈیشن جائے گی اور پھر وہیں سے وہ عبید احمد کی طرف جا کر اُنھیں سمجھانے کی کوشش کرے گی۔ نہ جانے کیوں اُسے یقین تھا کہ عبید احمد اُس کے جانے پر راضی ہو کر صنم کو لینے آ جائیں گے۔ یوں صنم کو اُس کا بیٹا اور ساری خوشیاں واپس مل جائیں گی۔ اسی خیال نے اُس کے ارادوں کو اور بھی پختہ کر دیا تھا۔

اگلی صبح وہ تیار ہو کر فاؤنڈیشن جانے کے لیے گھر سے نکلنے لگی تو فاطمہ بی نے اُسے دیکھ لیا۔

وہ اُسے دیکھتے ہی بولی ''مشعل! یہ تم اس حالت میں کہاں جا رہی ہو؟''

''فاطمہ بی! بہت دیر ہو گئی ہم اپنی فاؤنڈیشن نہیں جا پائے۔ آج سوچا کچھ کام دیکھ آؤں۔''

مشعل نے کہا تو فاطمہ بی فوراً بولی ''تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ تمھیں آرام کی ضرورت ہے اور ڈاکٹر نے بھی مکمل آرام کرنے کو کہا تھا۔ ابھی تمھیں بہت آرام کی ضرورت ہے مشعل، تم کہیں نہیں جا رہی۔''

''فاطمہ بی! صرف آج ایک ہی دن کی تو بات ہے۔ پھر ہم آرام کر لیں گے۔''
مشعل نے کہا تو یوں فاطمہ بی کو اس کے آگے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔
مشعل فاؤنڈیشن پہنچی تو سب اُسے یوں ملے جیسے کوئی اپنا بچھڑ جانے کے بہت عرصہ بعد ملتا ہے۔ پھر فاؤنڈیشن میں کام کرنے والے ورکرز نے مشعل کو ایک خوشخبری سنائی کہ ایک سروے ٹیم کا عملہ اُن کی فاؤنڈیشن کے کام سے بہت متاثر ہوا ہے اور یوں لگتا ہے مس مشعل کہ اس سال کا ایوارڈ آپ کو ہی ملنے والا ہے۔ فاؤنڈیشن کے ورکرز نے ابھی سے مشعل کو مبارک باد دینا شروع کر دی تھی۔ جیسے وہ جانتے تھے کہ اس سال کی بہترین وومن کا ایوارڈ مشعل بشیر کو ہی ملنے والا تھا۔مشعل نے اُن کی مبارک باد پر صرف اتنا کہا کہ ''سب سے بڑا ایوارڈ لوگوں کو ان کی تکلیفوں سے نجات دلا کر اُن کے چہرے پر مسکراہٹ لانے سے ہی مل جاتا ہے اور اس سے بڑا ایوارڈ میرے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''
تھوڑی دیر فاؤنڈیشن میں رہ کر اُس نے اپنی غیر موجودگی میں ہونے والے کاموں کی تفصیلات دیکھیں اور پھر وہ گاڑی لے کر عبید احمد کے گھر کی طرف بڑھ گئی۔
مشعل کی فاؤنڈیشن کے دفتر سے عبید احمد کے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔تھوڑی ہی دیر میں وہ وہاں پہنچ گئی۔ ایک نئی تعمیر شدہ ہاؤسنگ سوسائٹی میں ہی یہ گھر واقعہ تھا۔گھر کے خاص دروازے کے سامنے گاڑی کھڑی کرنے کے بعد گاڑی سے اُتر کر اُس نے دروازے کے ساتھ لگی گھنٹی بجائی۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلا۔
''مشعل تم......؟''
''عابدہ آنٹی......!!'' وہ یہ کہہ کر اپنی آنٹی سے لپٹ گئی تو عابدہ کے جیسے آنسو ہی نکل آئے تھے۔
وہ بولی ''مشعل! میں بہت شرمندہ ہوں ہوں۔ بیٹی آپ سب کو جب میری ضرورت تھی تب مجھے میرے بیٹے نے جانے سے روک دیا۔ میں مجبور ماں کیا کرتی'' عابدہ نے یہ کہتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے۔
''ہم سمجھتے ہیں آنٹی'' مشعل نے کہا تو عابدہ کچھ محسوس کرتے ہوئے فوراً بولی۔
''آؤ مشعل! اندر آجاؤ''

''آنٹی! عبید بھائی گھر پر ہیں؟''

''ہاں مشعل عبید اذان کے ساتھ اپنے کمرے میں ہی ہے۔''

پھر وہ جیسے کچھ جذباتی ہو کر بولی ''بیٹی! اپنی آنٹی کو غلط مت سمجھنا۔ میں نے تو ہر ممکن کوشش کر لی۔ عبید بیٹے کو بہت سمجھایا کہ اب ناراضگی چھوڑ دے اور میرے ساتھ چل کر صنم کو لے آئے لیکن اُس پر میری باتوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اُلٹا وہ مجھ سے بھی ناراض رہنے لگا ہے۔''

عابدہ نے جیسے بے بسی سے اپنے ہاتھ پہ ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں آنٹی! سب اچھا ہو جائے گا۔''مشعل نے عابدہ آنٹی کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے اُنھیں تسلی دینے کے لیے کہا۔

''آمین...... جاؤ بیٹی تم بھی ایک بار کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے عبید تمہاری ہی بات مان لے۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

عابدہ نے کہا تو مشعل عبید احمد کے کمرے کی جانب بڑھی۔ کمرے کے پاس پہنچ کر وہ دروازہ کھلا دیکھ کر دستک دیے بغیر ہی سیدھی اندر چلی گیئ۔ عبید احمد اس وقت روتے ہوئے اذان کو سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مشعل آپ......؟''مشعل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی عبید احمد کے منہ سے حیرانگی سے نکلا۔

اذان مشعل کو دیکھ کر تیزی سے بیڈ سے اُترا اور مشعل کی جانب دوڑا آیا۔ مشعل نے آگے بڑھ کر اپنی جانب آتے اذان کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''مشعل! تمہیں ایسی حالت میں گھر سے نکلنا نہیں چاہیے تھا۔ ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

عبید احمد نے اپنی نشست سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''کیسی حالت؟ کہاں کا آرام عبید بھائی۔'' یہ کہتے ہوئے مشعل غمگین دکھائی دے رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں آپ سب لوگوں پہ اس وقت کیا بیت رہی ہے لیکن مشعل تم ہی بتاؤ کیا صنم معافی کے لائق ہے؟ کتنا چاہتا تھا میں اُسے۔ کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی اور اُس نے وہی کیا جس سے میں نے

اسے منع کر رکھا تھا۔خود کے ساتھ تو اُس نے برا کیا ہی ساتھ تمہاری زندگی بھی تباہ کر ڈالی اور میں اُسے معاف کر دوں ہرگز نہیں۔'' آخری بات کہتے ہوئے عبید احمد نے آزردگی سے چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔

''عبید بھائی! جو بھی ہوا بہت برا ہوا لیکن اب صنم آپی اپنے کیے کی سزا بھگت چکی ہے۔اُسے معاف کر دیں۔اُسے اور سزا نہ دیں۔''

مشعل نے کہا اور پھر اُس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے کاندھے سے لگا اذان سو چکا ہے۔اُس نے اذان کے چہرے کی جانب دیکھا وہ سو چکا تھا۔اُس نے آگے بڑھ کر دھیرے سے اُسے بستر پر لیٹا دیا۔ عبید احمد نے اذان کی جانب دیکھا تو بولے۔

''اتنے دنوں سے مسلسل روتا رہا تھا نہ خود آرام کیا نہ ہمیں آرام کرنے دیا اور اب دیکھو تمہارے کاندھے سے لگ کر کیسی میٹھی نیند سو گیا ہے۔''

''یہ تو بچہ ہے عبید بھائی جیسے تیسے بہل ہی جاتا ہوگا۔وہاں تو ایک ماں ہے اُس کا کیا حال ہو رہا ہوگا............کبھی خیال آئے تو لینے آجایئے گا صنم آپی کو۔''

صنم نے آخری بات ذرا وقفے کے بعد کہی وہ پلٹ کر باہر نکلنے کے لیے دروازے کی جانب بڑھی اور اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے چلی جاتی عبید احمد پیچھے سے بولے۔

''رُکو مشعل! میری بات تو سنتی جاؤ۔''

مشعل عبید احمد کی بات سن کر رُکی لیکن پلٹی نہیں۔شاید وہ اپنے آنسو چھپائے رکھنا چاہتی تھی۔

پیچھے سے عبید احمد بولے''صنم سے کہنا وہ کل تیار رہے میں اُسے لینے آؤں گا۔''

یہ سنتے ہی مشعل پلٹی۔اُس کی آنکھوں میں اب خوشی کے آنسو تھے۔اُس نے ایک ہاتھ بڑھا کر اپنے آنسو پونچھے اور مسکاتے ہوئے بولی''شکریہ عبید بھائی!''

''ارے پگلی! بہت آنسو بہا لیے اب اور نہیں''

عبید نے آگے بڑھ کر مشعل کے سر پر ہاتھ رکھا اور اُسے اپنے کاندھے سے لگا لیا۔

باب27

عبید احمد کے گھر سے نکل کر مشعل سیدھی اپنے گھر پہنچی۔ رحمن بابا نے بڑا آہنی دروازہ کھولا تو مشعل گاڑی سیدھی کار پورچ میں لے گئی۔ رحمن بابا اب دروازہ بند کر کے پلٹ کر مشعل کی گاڑی کی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ جب مشعل گاڑی سے یوں تیزی سے کودی اور بھاگتی ہوئی ہال کی جانب بڑھی کہ یہ سب دیکھ کر رحمن بابا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ہمیشہ اپنی کسی کامیابی یا بڑی خوشی پر یونہی گھر پہنچنے پر گاڑی سے کودتی اور پھر خوشی سے چیختی چلاتی ہال میں داخل ہو جایا کرتی تھی۔ رحمن بابا نے اپنے کاندھے پر پڑے رومال سے آنسو پونچھے اور پھر وہ آہستہ آہستہ دوڑتے ہوئے ہال کی جانب بڑھے۔

''فاطمہ بی! صنم آپی! سکینہ! بابا جانی! طلحہ بھائی! مشعل نے ہال میں پہنچ کر سبھی کو پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اُسی وقت رحمن بابا بھی ہال میں پہنچے۔

''رحمن بابا! سب کو جلدی سے بلایئے۔''

مشعل نے رحمن بابا کو ہال میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔

''ہاں ہاں! بی بی جی! ہم ابھی سب کو بلاتے ہیں۔''

رحمن بابا ایک بار پھر سے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے آہستہ آہستہ دوڑتے ہوئے فاطمہ بی کے کمرے کی جانب بڑھے۔ عبید احمد کے صنم کو معاف کر دینے اور اُسے واپس گھر لے جانے کی مشعل کو اس قدر خوشی ہو رہی تھی کہ وہ جیسے پل بھر کو اپنا غم بھی بھول چکی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سبھی ہال میں جمع ہونے لگے۔ صنم سب سے آخر میں ہال میں پہنچی۔''

''مشعل کیا ایسے حالات میں ہم کسی خوشخبری کی بھی توقع رکھ سکتے ہیں؟''

فاطمہ بی نے ایک نظر صنم پر ڈالی اور پھر بجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''بالکل فاطمہ بی! ایک ایسی ہی خوش خبری ہم اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔ اللہ میاں نے ہماری سن لی ہے۔'' پھر مشعل نے جلدی سے وہ خوش خبری سب کو بتا ہی دی۔

''عبید بھائی کل صبح صنم آپی کو لینے آ رہے ہیں۔'' یہ کہہ وہ خاموش ہو گئی۔

کیونکہ کسی کے چہرے پر بھی کوئی خوشی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ یونہی سراسیمہ کھڑی تھی جب صنم غصے سے بولی۔

''مشعل میں نے کہا تھا کہ تم عبید احمد کی طرف نہیں جاؤ گی۔ پھر تم کیوں گئی وہاں؟''

مشعل صنم کی بات سن کر بھی خاموش رہی۔ مشعل سے کوئی جواب نہ پا کر صنم اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ صنم کے رویے سے مشعل کو دُکھ پہنچا تھا۔ وہ فاطمہ بی سے مخاطب ہوئی۔

''فاطمہ بی! آپ ہی سمجھایئے صنم آپی کو۔ وہ اچھا نہیں کر رہی۔''

مشعل کی بات سن کر فاطمہ بی بولی ''میں کچھ نہیں جانتی مشعل کیا اچھا ہے اور کیا برا'' فاطمہ بی اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھی اور بجھی بجھی سی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔

مشعل نے فاطمہ بی کو جاتے دیکھا تو اُسے بہت دُکھ ہوا۔اُس نے سوچا تھا کہ یہ خبر سن کر سب خوش ہو جائیں گے اور یوں گھر پر چھائے یاسیت کے بادل کچھ تو کم ہوں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اُلٹا صنم یہ سن کر مشعل سے خفا ہو گئی تھی۔رحمن بابا اور سکینہ نے مشعل کو یوں پریشان دیکھا تو اُنھوں نے اُسے تسلی دی اور کہا کہ جب صبح عبید احمد، صنم بی بی جی کو لینے آئیں گے تو وہ خود سب کو سمجھا لیں گے۔مشعل نے رحمن بابا اور سکینہ کی یہ بات سنی تو اُسے پھر سے اُمید ہونے لگی۔

اگلے روز صبح عبید احمد اپنی والدہ عابدہ اور بیٹے اذان کے ساتھ صنم کو لینے پہنچا تو اذان سب سے آگے دوڑتا ہوا ہال میں آ گیا اور اپنی توتلی زبان میں شور مچانے لگا۔صنم نے کہیں اپنے کمرے میں اذان کی آوازیں سنیں تو پہلے اُس نے اسے اپنا وہم سمجھا لیکن پھر مسلسل اذان کی آوازیں آتی سن کر وہ بھاگتی ہوئی ہال میں آئی تو عبید احمد نے اذان کو اُٹھا رکھا تھا۔ساتھ میں اُس کی آنٹی عابدہ بھی کھڑی تھی۔اذان اپنی مما کو سامنے پا کر خوشی سے چیخنے چلانے لگا۔عبید احمد نے اُسے فوراً نیچے اُتارا تو وہ دوڑتا ہوا صنم کے پاس جا پہنچا۔صنم کی بھی ایسی حالت ہو رہی تھی جیسے کئی برسوں کی پیاسی ممتا نے آج اپنے جگر کو دیکھا تھا۔اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔اذان کو اُٹھا کر اُس نے چومتے ہوئے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔عابدہ آگے بڑھی۔اُس نے شفقت سے اپنا ہاتھ صنم کے سر پر رکھا تو پھر دونوں روتے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔اب سبھی گھر کے افراد ہال میں جمع یہ منظر دیکھ رہے تھے اور سبھی کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

عبید احمد، صنم کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اذان تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا صنم''

صنم نے عبید احمد کی جانب دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔

''عبید کیا تم میرے بغیر رہ سکتے ہو؟'' پھر اس بات کا جواب اُسے عبید کی آنکھوں سے مل گیا تھا۔

''نہیں صنم! میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

صنم پھر ایک طرف خاموش کھڑی مشعل کی جانب بڑھی۔

''مشعل! مجھے معاف کر دو۔میں بہت غصے میں تھی جو تمہیں سمجھ نہ سکی۔''

صنم نے کہا تو مشعل بولی ''آپی! اپنوں سے کیسی معافی۔آپ اپنے گھر میں خوش رہیں ہمارے لیے اس سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔''

''بابا جانی کے بعد تم گھر میں سب سے زیادہ ہمت والی ہو مشعل۔''صنم نے مشعل کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

اب سب کو طلحہ اور عدنان بشیر کا انتظار تھا۔طلحہ تو سکول گیا ہوا تھا جبکہ عدنان بشیر اپنے دفتر میں تھے۔ پھر شام کو سبھی کے اکٹھے ہونے پر صنم سب سے رُخصت لے کر اپنے گھر چلی گئی۔

رات کو جب مشعل اپنے کمرے میں تھی نہ جانے کیوں آج اُس کا دل شہریار سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا۔اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہ خوش خبری شہریار کو بھی بتائے کہ صنم آپی اپنے گھر ہنسی خوشی واپس پہنچ گئی ہے۔ایک دو بار اُس نے شہریار کا نمبر ڈائل بھی کیا لیکن پھر بیل جانے سے پہلے ہی اُس کا ارادہ بدل جاتا اور وہ کال کاٹ دیتی۔پھر اُس کے دل میں شہریار کے لیے نفرت اُبھرنے لگی۔اُس کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر پھر سے اُبھرنے لگا جب صالحہ بیگم مشعل کے کاغذات پر دستخط کرنے پر شہریار کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔اُس نے ایک بار بھی رُک کر اپنی مما کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔وہ چاہتا تو رُک کر مشعل کا ساتھ دیتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔یہ سوچتے ہوئے اس کے دل میں شہریار کے لیے نفرت اور بھی شدید ہونے لگی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ایسے ہی بہتے آنسوؤں کے ساتھ اُس نے سوچا وہ ایک بار شہریار سے ضرور پوچھے گی کہ یہ تم ہی تھے شہریار جسے اپنے جرمِ عشق پہ ناز تھا۔

باب 28

اگلی صبح جب عدنان بشیر اپنے دفتر چلے گئے اور طلحہ بھی سکول جا چکا تھا یوں گھر پر صرف فاطمہ بی اور مشعل ہی تھیں۔ جب گیارہ بجے کے قریب صالحہ بیگم غصے ے پیر پٹختی ہال میں داخل ہوئی۔ وہ ہال میں داخل ہوتے ہی غصے سے چلاتے ہوئے شہر یار کو پکارنے لگی۔

''شہر یار...... بیٹا! باہر آؤ تمہاری مما آئی ہے۔''

فاطمہ بی نے جب یہ آوازیں سنیں تو وہ فوراً اپنے کمرے سے ہال میں پہنچی اور پھر صالحہ بیگم کو یوں شہر یار کو پکارتے دیکھا تو اُن کا دل جیسے دھک سے رہ گیا۔

فاطمہ بی کے ہال میں پہنچتے ہی صالحہ بیگم اُن کے قریب آ کر بولی۔

''کہاں ہے میرا بیٹا شہر یار؟'' فاطمہ بی نے یہ سوال سنا تو وہ تعجب سے بولیں۔

’’شہر یار سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں بہن۔آپ اِدھر آئیں تشریف رکھیں۔‘‘

اُنھوں نے صالحہ بیگم کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

’’بڑی اچھی طرح سے سمجھ چکی ہوں میں تم جیسے لوگوں کو اور میں یہاں کوئی بیٹھنے نہیں آئی۔‘‘

صالحہ بیگم یہ کہہ کر پھر سے شہر یار کو پکارنے لگی۔جیسے اُسے یقین تھا کہ شہر یار اُن ہی کے گھر ٹھہرا ہوا ہے۔

یہ دیکھ کر فاطمہ بی پھر سے بولی’’صالحہ بہن! میں نے کہا ناں شہر یار کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔تو وہ یہاں کیسے ہوسکتا ہے؟‘‘

فاطمہ بی کی بات سنتے ہی صالحہ بیگم پھر سے غصے میں چیختے ہوئے بولی:

’’کہاں ہے تمہاری وہ سوشل ورکر بیٹی؟ بلاؤ اُسے میں خود پوچھ لیتی ہوں کہ اُس کا واسطہ ہے کہ نہیں میرے بیٹے سے؟‘‘

یہ سنتے ہی فاطمہ بی جیسے التجا بھرے انداز میں بولی:

’’آہستہ بولو بہن! میری بیٹی کی ابھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ڈاکٹر نے اُسے آرام کرنے کو بولا ہے۔اُس نے کہیں یہ سب سن لیا تو............‘‘ فاطمہ بی جیسے کہتے کہتے رُک گئی۔

عین اُسی وقت جب فاطمہ بی یہ الفاظ ادا کر رہی تھی اُوپر اپنے کمرے سے مشعل بھی شور سن کر نیچے آرہی تھی لیکن پھر فاطمہ بی کی بات سن کر وہ وہیں اُوپر سیڑھیوں کے پہلے سرے پر رُک گئی۔وہ فاطمہ بی کو اور دُکھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن صالحہ بیگم تو آج کسی اور ہی ارادے سے آئی ہوئی لگتی تھی۔اب اُسے وہاں کھڑے صالحہ بیگم کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔وہ پھر سے بلند آواز میں بول رہی تھی۔

’’خوب! بہت خوب! تمہیں اپنی بیٹی کی بہت فکر ہے اور میرا بیٹا جو کئی ہفتوں سے گھر نہیں پہنچا مجھ پر کیا گزر رہی ہے تم نہیں جانتی۔تم جیسے لوگ اپنی بیٹیوں کو گھر سے باہر یوں کام کرنے کے لیے اسی لیے بھیجتے ہیں تاکہ وہ شہر کے کسی امیر زادے کو پھانس لیں اور پھر باقی کی ساری زندگی تمہاری عیش میں گزرے۔‘‘

صالحہ بیگم کی یہ بات سن کر مشعل سیڑھیوں پر جیسے لڑکھڑا سی گئی۔وہ دیوار کا سہارا لے کر یوں کھڑی ہو گئی کہ کچھ باتیں تیر سے بھی زیادہ گھاؤ لگاتی ہیں اور ایسے ہی گھاؤ صالحہ بیگم کی باتیں سن کر اُس کے وجود کو

چھلنی کر رہے تھے۔

''تم لوگوں کو پیسہ چاہیے۔ بولو کتنا پیسہ چاہیے تم لوگوں کو۔ ایک کروڑ، دو کروڑ، چار کروڑ......لیکن میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو۔''

یہ کہتے ہوئے صالحہ بیگم کے چہرے سے گھمنڈ اور غرور ٹپک رہا تھا۔ جبکہ مشعل کا یہ سن کر دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اُس میں سما جائے۔ ایسی ہی حالت فاطمہ بی کی تھی۔

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی ''ارے بہن! بس کرو۔ خدا کے لیے بس کر دو۔ اب اور کچھ مت کہنا''

پھر وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی ''میرا رب جانتا ہے میں سچ کہہ رہی ہوں ہم شہریار کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''رہنے دو۔ یہ مگر مچھ کے آنسو کسی اور کو دکھانا۔ تم صالحہ بیگم کو ابھی جانتی نہیں ہو۔ اگر تم لوگوں نے میرے بیٹے کا پیچھا نہ چھوڑا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

یہ دھمکی آمیز الفاظ کہہ کر صالحہ بیگم جیسے آئی تھی ویسے ہی غصے سے پیر پٹختی باہر کی جانب چلی گئی۔ صالحہ بیگم کے جاتے ہی فاطمہ بی اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کرتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب دیکھنے لگی کہ کہیں مشعل نے یہ باتیں سن نہ لی ہوں۔ پھر تسلی ہو جانے پر کہ مشعل نے یہ باتیں نہیں سنیں وہ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ مشعل بھی بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے تک پہنچی تو وہ شدید ذہنی اذیت سے دوچار لگ رہی تھی۔

''تم جیسے لوگ اپنی بیٹیوں کو گھر سے باہر اسی لیے بھیجتے ہیں تا کہ وہ شہر کے کسی امیر زادے کو پھانس لیں اور پھر باقی کی ساری زندگی تمہاری عیش میں گزرے۔''

کمرے میں پہنچ کر ابھی بھی اُس کے ذہن میں صالحہ بیگم کی کہی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے بستر پر جیسے ڈھے سی گئی۔

''تم لوگوں کو پیسہ چاہیے، بولو کتنا پیسہ چاہیے تم لوگوں کو۔ ایک کروڑ، دو کروڑ، چار کروڑ لیکن میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو۔ اگر تم لوگوں نے میرے بیٹے کا پیچھا نہ چھوڑا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

صالحہ بیگم کے یہ الفاظ کسی تیز دھار آلے کی طرح اُسے اپنا وجود کاٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک تنہا بیٹھی روتی رہی۔ پھر وہ نیچے ہال میں آ گئی۔ جہاں فاطمہ بی پہلے سے ہی موجود تھیں۔

''آؤ مشعل! ادھر بیٹھو۔'' فاطمہ بی نے مشعل کو آتے دیکھا تو کہا۔

مشعل نے فاطمہ بی کے قریب آتے ہوئے اُن کے چہرے کی جانب دیکھا کیسے کمالِ مہارت سے وہ اپنے زخموں کو چھپا رہی تھی۔ مشعل فاطمہ بی کے قریب بیٹھ گئی۔

فاطمہ بی پھر سے بولی ''مشعل! تمہاری فاؤنڈیشن کیسی چل رہی ہے؟''

''ٹھیک چل رہی ہے فاطمہ بی۔'' مشعل نے بجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

فاطمہ بی نے اُسے یوں اُداس دیکھا تو بولی ''شام کو ہیری کو باہر لے جایا کرو مشعل! آج کل تم بالکل اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی ہو۔''

فاطمہ بی کی بات پوری ہونے تک مشعل جیسے غصے سے پھٹ پڑی۔

''بس کیجیے فاطمہ بی! خدا کے لیے بس کیجیے ہماری یہ فکر۔ ہماری وجہ سے آج وہ عورت آپ کی نیک نامی پر دھبہ لگا کر چلی گئی اور آپ صرف ہماری فکر کرتی رہ گئیں۔''

فاطمہ بی نے یہ سب سنا تو وہ چونکی۔ وہ تو چاہتی تھی کہ مشعل کو یہ بات پتہ نہ چلے۔

''مشعل! میری بچی تم کچھ مت سوچنا اس بارے میں صالحہ بیگم غصے میں لگ رہی تھی اور غصے میں انسان کچھ بھی بول دیتا ہے۔''

فاطمہ بی نے جیسے مشعل کو سمجھانے کے لیے کہا تا کہ وہ صالحہ بیگم کی باتوں کو دل پہ نہ لے۔

''فاطمہ بی! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم خود ہی شہریار سے رشتہ ختم کر دیں گے۔ ہم اُس سے طلاق لے لیں گے۔'' یہ کہہ کر مشعل اُٹھی اور فاطمہ بی حیران ہو کر بولی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو مشعل!''

ابھی وہ اسی حیرانی میں مبتلا تھی کہ جب مشعل اُٹھتے ہی چکرا کر نیچے گری۔

''مشعل!'' فاطمہ بی چیختی ہوئی مشعل پر جھکی اور چلانے لگی۔

''ارے کوئی پانی لاؤ''

سکینہ فوراً دوڑتی ہوئی پانی لے کر آئی۔ سکینہ کے ہاتھ سے پانی لے کر فاطمہ بی نے چند قطرے مشعل کے منہ میں ٹپکائے لیکن تب تک وہ ہوش میں آ چکی تھی اور اب ایک ہاتھ اپنے شکم پر رکھے شدید درد سے کراہ رہی تھی۔

''فاطمہ بی! ہمیں پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' مشعل تکلیف میں کہہ رہی تھی۔

''ہائے میری بچی کو کیا ہو گیا؟''

یہ کہتے ہوئے فاطمہ بی نے جلدی سے سکینہ کے ساتھ مل کر مشعل کو صوفے پر لٹایا اور پھر وہ ڈاکٹر زوار کو کال کرنے لگی۔

عدنان بشیر اس وقت اپنے دفتر میں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زوار کو کال کرنے کے بعد فاطمہ بی نے عدنان بشیر کو بھی کال کر دی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں یکے بعد دیگرے زوار اور عدنان بشیر گھر پہنچے۔ زوار نے درد سے بے حال ہوتی مشعل کا چیک اپ کیا اور کہا کہ مشعل کو ہسپتال لے جانا پڑے گا۔ وہ کسی قسم کے تذبذب کا شکار لگ رہا تھا اسی لیے وہ ابھی کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔ مشعل کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا جہاں اُسے داخل کر لیا گیا تھا۔ عدنان بشیر اُسی ڈاکٹر کے پاس مشعل کو لائے تھے جس نے مشعل کا ایک گردہ صنم کے جسم میں ٹرانسپلانٹ کیا تھا۔ ڈاکٹر نے اُنھیں بتایا کہ مشعل کی ایسی حالت گردے میں انفیکشن آ جانے کی وجہ سے ہوئی ہے اور اِس کی وجہ وہ خود ہے۔ کیونکہ اُس نے مشعل کو چند ہفتے مکمل آرام کرنے کی تلقین کی تھی۔ پھر ڈاکٹر نے ایک اور بری خبر سنائی کہ وہ ڈائیسلیسز تو کر دیں گے جس سے مشعل کی طبیعت چند روز سنبھل جائے گی لیکن اُنھیں بالآخر مشعل کی جان بچانے کے لیے ایک گردہ ٹرانسپلانٹ کروانا ہی پڑے گا۔ زوار نے جب مشعل کا چیک اپ کیا تھا تو اُسے اُسی وقت محسوس ہو گیا تھا کہ یہ تکلیف مشعل کو گردے کی وجہ سے ہو رہی ہے لیکن اب ڈاکٹر کی زبانی یہ سن کر کہ مشعل کو ایک گردہ ٹرانسپلانٹ کروانا پڑے گا اُسے بہت دُکھ ہوا۔ اُس نے مشعل کی ایسی حالت سے شہر یار کو مطلع کرنے کے لیے فوراً کال کی لیکن شہر یار کا نمبر بند ملا۔

اُسی رات مشعل کو ڈائیلسز جیسے تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑا۔ یوں اُسے چند روزہ صحت تو مل گئی لیکن عدنان بشیر اور زوار جانتے تھے کہ مشعل کی جان بچانے کے لیے ایک گردہ ٹرانسپلانٹ کروانا ہی پڑے

گا۔جس کے لیے اُنھوں نے اپنے طور پر بھر پور کوشش شروع کر دی تھی۔عدنان بشیر مشعل کو ڈائیلسز سے اگلے ہی روز گھر لے آئے تھے۔تھوڑی بہت رقم جو گھر بیچنے کی صورت میں ابھی ملنا باقی تھی عدنان بشیر وہ رقم بھی لے چکے تھے جو کہ ڈائیلسز جیسے مہنگے طریقہ علاج اور ادویات پر خرچ ہو رہی تھی۔مشعل گزرے دو ہی دنوں میں جیسے سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔اُسے جو بھی دیکھتا پہچان ہی نہ پاتا۔عدنان بشیر مشعل کی حالت کو لے کر جو کچھ بھی جانتے تھے وہ اُنھوں نے فاطمہ بی سے مخفی ہی رکھا تا کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہوں۔

دفتر سے واپسی پر وہ روز مشعل کے لیے اُس کی پسند کے پھل لے کر آتے اور پھر اُس کے پاس بیٹھ کر بہت دیر تک اُس سے باتیں کرتے۔ایسے ہی ایک روز وہ مشعل کے پاس موجود تھے اور خود اُسے پھل کاٹ کر کھلا رہے تھے جب دفعتاً مشعل نے کہا۔

''بابا! ہمیں لگتا ہے ہم مرنے والے ہیں۔''

عدنان بشیر مشعل کی یہ بات سن کر رو ہی دیتے لیکن پھر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اُنھوں نے مشعل کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بولے۔

''ہماری اتنی بہادر بچی کو یہ خیال کیسے آیا؟''

''کیونکہ بابا جانی! آپ ہم سے بہت سی باتیں چھپا رہے ہیں۔''مشعل نے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔دیکھو آپ نے تو اپنی آپی کی جان بچائی تھی۔پھر آپ کو کیسے کچھ ہو سکتا ہے؟''عدنان بشیر مشعل کو تسلی دے رہے تھے لیکن وہ دلی طور پر مشعل کی یہ باتیں سن کر بہت خوفزدہ ہو گئے تھے۔

اگلے ہی روز اُنھیں گھر خالی کرنے کا نوٹس ملا تو یہ بات اُنھوں نے فاطمہ بی کو بتائی اور اُنھیں کہا کہ وہ شام تک گھر خالی کر دیں گے۔اُنھوں نے چند روز پہلے سے ہی کہیں ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُنھیں کسی بھی روز گھر خالی کرنا پڑ سکتا تھا۔رحمن بابا اور سکینہ کو جب گھر خالی کرنے والی بات پتہ چلی تو وہ بچوں کی طرح روتے عدنان بشیر اور فاطمہ بی کے پاس آئے۔

''صاحب! یہ ہم کیا سن رہے ہیں۔''رحمن بابا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''رحمن بابا! زندگی میں اچھے بُرے دن تو آتے ہی رہتے ہیں۔اب ہم آپ لوگوں کو کہاں سے

کھلائیں گے جب کہ ہم خود کرائے پر جا رہے ہیں۔''

عدنان بشیر کی یہ بات سنتے ہی رحمن بابا بلند آواز میں رونے لگے اور بولے:

''صاحب! ہمیں اپنے سے جدا نہ کرو۔ ہم روکھی سوکھی کھا کر جیسے بھی گزارا کر لیں گے لیکن ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔''

رحمن بابا کی بیگم سکینہ کے بھی یہی الفاظ تھے۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر عدنان بشیر بولے:

''رحمن بابا! ہم آپ کو حالات اچھے ہوتے ہی پھر اپنے پاس بلا لیں گے۔ فی الحال آپ گاؤں واپس لوٹ جائیں۔ ہم نے آپ کے ٹرین کے ٹکٹس کا بندوبست کر دیا ہے۔''

بیچارے رحمن بابا اور سکینہ اور کیا کہتے۔ یہ بات سن کر رو دھو کر خاموش ہو گئے۔

باب 29

گھر کا سارا سامان دو بڑی بڑی گاڑیوں میں لادا جا رہا تھا۔ سبھی کے لیے گھر خالی کرنا جہاں وہ برسوں سے رہ رہے تھے قیامت سے کم نہیں تھا لیکن یہ قیامت اُن پر واقع ہو رہی تھی۔ طلحہ کا تو رو رو کر برا حال ہو رہا تھا لیکن مشعل اُسے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ صرف چند روز کے لیے نئے گھر میں جا رہے ہیں۔ وہ پھر سے اس گھر میں لوٹ آئیں گے لیکن طلحہ کوئی بچہ نہیں تھا کہ وہ اس بات کو نہ سمجھتا کہ وہ اب اس گھر میں کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ خود مشعل کے لیے بھی اس گھر سے جڑی یادوں سے پیچھا چھڑانا کہاں آسان تھا۔ وہ ایک جانب تنہا کھڑی ایک بار سارے گھر کو یوں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کا بچپن سامنے لان میں لگے جھولوں پر جھولا جھولتے گزرا تھا۔ املتاس کے درختوں کی

قطار جو اُس نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی اب وہ درخت زرد پھولوں سے لدے جھوم رہے تھے۔ ایک طرف کونے میں بنا ہیری کا گھر وہ بھلا کیسے بھلا پائے گی یہ سب۔ اب سارا ہی سامان گاڑیوں میں لا دا جا چکا تھا۔ سبھی کار پورچ میں کھڑے آخری بار ایک دوسرے سے الوداعی ملاقات کر رہے تھے۔ آج کے دن کا سورج بھی غروب ہوتے ہوتے بے حد اُداس لگ رہا تھا۔ اُس کی سنہری کرنیں جیسے خون کے آنسو بہا رہی تھیں۔ رحمن بابا اور اُن کے خاندان کے اسٹیشن تک جانے کے لیے رکشہ آ گیا تھا۔ وہ دونوں بار بار گھر کے ہر ہر فرد سے مل رہے تھے۔ پھر عدنان بشیر نے سبھی کو گاڑی میں بیٹھنے کا شارہ کیا۔ رحمن بابا، سکینہ اور اُن کی دو چھوٹی بچیوں سے آخری ملاقات کر کے مشعل جیسے ہی گاڑی میں بیٹھنے لگی وہ چکرا کر گاڑی کے پچھلے پہیے کے پاس گری اور بے ہوش ہوگئی۔ سبھی چیختے چلاتے مشعل کی جانب لپکے۔ فاطمہ بی نے مشعل کا سر اپنی گود میں رکھا تو عدنان بشیر اُس کے گال تھپتھپا کر بولے:

''مشعل! مشعل بیٹی ہوش کرو۔''

پھر اُنھوں نے جلدی سے ڈاکٹر زوار کو کال لگائی۔ زوار نے اُنھیں مشورہ دیا کہ وہ فوراً مشعل کو ہسپتال لے جائیں وہ خود بھی وہیں آ جائے گا۔ زوار سے بات ہونے کے بعد عدنان بشیر اور فاطمہ بی مشعل کو لے کر ہسپتال کی جانب بڑھ گئے۔

باب30

زوار اب ہسپتال کی جانب جا رہا تھا جہاں مشعل کو لے جایا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اتنے روز بیت جانے کے بعد ابھی تک مشعل کے لیے گردہ کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ یوں مشعل کی زندگی خطرے میں تھی۔ وہ راستے میں ہی تھا جب اُس نے شہر یار کا نمبر ملایا۔خوش قسمتی سے آج شہر یار کا نمبر بند نہیں تھا۔ جیسے ہی شہر یار نے کال ریسیو کی زوار نے اُسے مشعل کی ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور اُسے کہا کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر ہسپتال پہنچ جائے۔ جب زوار ہسپتال کے دروازے پر پہنچا تو اُسے شہر یار بھی وہیں مل گیا۔ دونوں وارڈ کی جانب بڑھے۔ وارڈ تک جاتے جاتے زوار نے شہر یار کو مشعل کی زندگی کو لاحق خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وارڈ میں پہنچ کر شہر یار زوار کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور مشعل پر نظر پڑتے ہی جیسے وہ تڑپ اُٹھا۔ مشعل نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں دکھائی

دے رہے تھے۔ایک لمحے کو تو جیسے وہ اسے پہچان ہی نہ پایا تھا۔ وہ اُس کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور بولا:
''مشعل میں............شہر یار'' شہر یار کی آواز سن کر مشعل نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔
اُس کی نظر شہر یار پر پڑی وہ بولنا چاہتی تھی۔ اُس کے لب آہستہ سے ہلے لیکن وہ بول نہ سکی۔ اُس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔شہر یار کو لگا اُس کی ایک ہی نگاہ سب کہہ گئی تھی۔ جیسے وہ پوچھ رہی تھی۔
''یہ تم ہی ہو شہر یار جسے جرمِ عشق پہ ناز تھا''
وہ بے تاب ہو کر بولا'' مجھے جاب مل گئی ہے مشعل......اب میں اپنا گھر لوں گا۔ پھر تمھیں اپنے گھر لے کر جاؤں گا۔اب میں آ گیا ہوں ناں......تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مشعل۔ اسی لیے تمہارے پاس نہ آ سکا۔تم سے رابطہ نہ کر سکا۔ ہاں میں مانتا ہوں میں تمہارا مجرم ہوں۔''
شہر یار بول رہا تھا جبکہ مشعل کی بند آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے پاس کھڑے عدنان بشیر کی جانب بڑھا۔
''بابا! مجھے معاف کر دیں۔''
عدنان بشیر چپ کھڑے رہے تو وہ فاطمہ بی کی جانب بڑھا۔
فاطمہ بی نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر اپنے پلو سے روتے ہوئے منہ چھپا لیا۔ پھر شہر یار زروار کو لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچا تا کہ وہ مشعل کے حوالے سے معلومات لے سکے۔
ڈاکٹر اب اُنھیں بتا رہا تھا'' دیکھئے ڈائیلسز کے بعد اِن کی جو حالت ہے اِنھیں اگر جلد سے جلد ایک کڈنی ٹرانسپلانٹ نہ کی گئی تو............''
ڈاکٹر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شہر یار نے کہا:
''ڈاکٹر صاحب! میں اپنا ایک گردہ دینے کے لیے تیار ہوں۔''
اُس نے یوں جلدی سے کہا تھا جیسے وہ ڈاکٹر کی اگلی بات سننے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔
''پھر دیر نہ کیجیے مسٹر شہر یار'' ڈاکٹر نے کہا۔
تو شہر یار بولا'' میں تیار ہوں ڈاکٹر صاحب'
شہر یار کی بات سن کر زروار نے شہر یار کے کاندھے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے اُس کی ہمت بڑھا رہا ہو۔

شہر یار ڈاکٹر کے ساتھ ہسپتال میں موجود لیبارٹری چلا گیا جہاں اُس کے ٹیسٹ ہونے تھے۔ تمام ٹیسٹ رپورٹس درست آنے پر ڈاکٹر نے جلد سے جلد آپریشن کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ شہر یار کو آپریشن تھیٹر لے جایا گیا جہاں وہ آپریشن کے لیے کپڑے بھی تبدیل کر چکا تھا۔ اُسے بے ہوش کرنے کے لیے ڈاکٹر انجکشن میں موجود اضافی مقدار کو ضائع کر رہا تھا۔ پھر وہ انجکشن لگانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ جب زوار گرتا پڑتا حواس باختہ اندر داخل ہوا۔ شہر یار کے پاس آ کر وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولا:

''جلدی چلو شہر یار...... آخری بار مشعل سے مل لو۔ وہ ہمیں چھوڑ کر جا رہی ہے۔''

شہر یار کا یہ سننا تھا کہ وہ تیزی سے اُٹھا اور پھر زوار کے پیچھے دیوانہ وار دوڑا لیکن مشعل کے کمرے سے باہر پہنچ کر اُس کے قدم رُک گئے۔ سامنے عبید احمد روتی ہوئی صنم کو کاندھے سے لگائے باہر آ رہے تھے۔

''آہ!! نہیں...... مشعل''

اُس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ وہ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے مشعل کے سارے وجود کو سفید چادر سے ڈھک دیا گیا تھا۔ وہ اپنے پیروں پر لڑکھڑا کر گرا۔ اُسے فاطمہ بی دکھائی دی جن پر غشی کا دورہ پڑتا اور وہ سفید چادر میں لپٹے مشعل کے بے جان وجود پر آ گرتی جنھیں عدنان بشیر سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر اُس کی نگاہیں مشعل پر پڑی سفید چادر پر گڑھ گئیں اور سفید رنگ اُس کی نگاہوں کے سامنے یوں چھا گیا کہ پھر اُسے ہر سو سفیدی دکھائی دینے لگی۔ ایک ایسا برف سے ڈھکا سفید چٹیل میدان جہاں ہر سو برف پڑ رہی تھی۔ بہت دیر تک ایسا ہی منظر اُس کی نگاہوں کے سامنے چھایا رہا۔

پھر منظر بدلا وہ مسکایا اور بولا ''مشعل...... آؤ اپنے گھر چلیں''

مشعل اُس کے سامنے سہاگ کے لال جوڑے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ مشعل کی جانب بڑھا لیکن یہ دیکھ کر اُس کا رنگ فق ہو گیا کہ مشعل اُس سے دور جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُس سے اتنا دور چلی گئی کہ اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ یہ دیکھ کر وہ بے تاب ہو کر بچوں کی طرح رونے لگا اور ایک ہاتھ آگے بڑھا کر وہ اُسی سمت دوڑنے لگا جس سمت اُس نے مشعل کو نظروں کے سامنے سے اوجھل ہوتے دیکھا تھا۔ اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ اُس کے پپا سفیان غوری نے تھام لیا۔ آج وہ پورے ایک ہفتہ بعد کومے سے باہر آیا تھا۔ اُس نے اپنے اردگرد دیکھا یہ تو وہ منظر نہیں تھا۔ وہ پاگلوں جیسے چیخنے چلانے لگا۔ یہ دیکھ کر اُس کی مما صالحہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جبکہ سفیان غوری ڈاکٹر کو بلانے بھاگے۔ شاید اس لیے کہ اُن کے بیٹے نے تو اپنا سب کچھ کھو دیا اب کہیں وہ اپنا جہاں نہ کھو دیں۔

ختم شُد